

کتاب آزلناه الیاء للتحج الذل من الظلمات الی النور

تفسیر ابن کثیر

رأسس الفسیر

حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر

مؤجد

خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی

مکتبہ قدوسیہ



مکتبه قم و سیه

کتاب اللہ الیہ ترجع الناس من اظلم الناس الى اظلم الناس
 "یہ کتاب ہے جو آپ کے پاس ہے اس کے آگے اس کا اندر میں اس کا رایت کا ریت الیہ"

بفضلہ تعالیٰ تمام تفسیریں اسے تفسیر

تفسیر ابن کثیر

جلد دوم

رأس السجدة والفرقة بين

حافظ عمر ادا الدین ابو الفداء ابن کثیر

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی

مکتبہ قدوسیہ لاہور

جملہ حقوق اشاعت محفوظ ہیں

اشاعت — 2006

الانعام طباعت

ابوبکر قدوسی

قدوسی اسلامک پریس

مکتبہ قدوسیہ

Ph: 042-7230585-7351124
Email: qadusia@brain.net.pk
www.quddusia.com

رحمان مارکیٹ • غزنی سٹریٹ • اردو بازار • لاہور • پاکستان

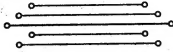
تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

۶
پارہ نمبر

- | | | | |
|-----|--|---|--|
| ۹۴ | • نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو چھپایا نہیں | ۶ | • ایک بے دلیل روایت اور وفائے عہد کی تاکید |
| ۹۷ | • آخری رسول پر ایمان اولین شرط ہے | ۱۲ | • حلال و حرام کی وضاحتیں |
| ۹۷ | • سیاہ عمل یہود اور نصاریٰ | ۲۳ | • شکاری کتے اور شکار |
| ۹۸ | • خود ساختہ معبود بنانا ناقابل معافی جرم ہے | ۲۸ | • ذبیحہ کس نام اور کن ہاتھوں کا حلال ہے؟ |
| ۱۰۰ | • معبودان باطل | ۳۱ | • وضو اور غسل کے احکامات |
| ۱۰۱ | • امر معروف سے گریز کا انجام | • ”اسلام“ زبان سے عہد اور ”ایمان“ عمل سے اطاعت اس عہد کا اظہار ہے | |
| ۱۰۳ | • یہودیوں کا تاریخی کردار | ۴۰ | • عہد شکن لوگ؟ اور امام مہدی کون؟ |
| | | ۴۳ | • علمی بددیانتی |
| | | ۴۶ | • اللہ وحدہ لا شریک ہے |
| | | ۴۶ | • محمد ﷺ مطلقاً خاتم الانبیاء ہیں! |
| | | ۴۸ | • تسلسل انبیاء نسل انسانی پہ اللہ کی رحمت ہے |
| | | ۵۰ | • حسد و بغض سے ممانعت |
| | | ۵۶ | • ایک بے گناہ شخص کا قتل تمام انسانوں کا قتل |
| | | ۶۱ | • فساد اور قتل و غارت |
| | | ۶۲ | • تقویٰ قربت الہی کی بنیاد ہے |
| | | ۶۷ | • احکامات جرم و سزا |
| | | ۶۹ | • جھوٹ سننے اور کہنے کے عادی لوگ |
| | | ۷۲ | • قتل کے بدلے تقاضائے عدل ہے |
| | | ۷۷ | • باطل کے غلام لوگ |
| | | ۸۰ | • قرآن ایک مستقل شریعت ہے |
| | | ۸۱ | • دشمن اسلام سے دوستی منع ہے |
| | | ۸۳ | • قوت اسلام اور مردین |
| | | ۸۶ | • اذان اور دشمنان دین |
| | | ۸۸ | • بدترین گروہ اور اس کا انجام |
| | | ۸۹ | • بخل سے بچو اور فضول خرچی سے ہاتھ رکھو |
| | | ۹۱ | |

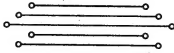
تفسیر ابن کثیر



چند اہم مضامین کی فہرست

- | | | | |
|-----|--|-----|---|
| ۱۶۳ | • نخت لوگ اور کثرت دولت | ۱۰۶ | • ایمان والوں کی پہچان |
| ۱۶۵ | • محروم اور کارگران کون؟ | ۱۰۷ | • راہبانیت (خائفہ و سنی) اسلام میں ممنوع ہے |
| ۱۶۶ | • مسلمانو! طبقاتی عصیت سے بچو | ۱۱۰ | • غیر ارادی تسمیں اور کفارہ |
| ۱۷۰ | • نیک و بد کی وضاحت کے بعد؟ | ۱۱۲ | • پانسہ بازی، جوا اور شراب |
| ۱۷۳ | • نیند موت کی چھوٹی بہن | ۱۱۳ | • حرمت شراب کی مزید وضاحت |
| ۱۷۵ | • احسان فراموش نہ بنو | ۱۱۸ | • احرام میں شکار کے مسائل کی تفصیلات |
| ۱۷۸ | • غلط تاملیں کرنے والوں سے نہ ملو | ۱۲۳ | • طعام اور شکار میں فرق اور حلال و حرام کی مزید تشریحات |
| ۱۸۰ | • اسلام کے سوا سب راستوں کی منزل جہنم ہے | ۱۲۷ | • رزق حلال کم ہو تو برکت، حرام زیادہ بھی ہو تو بے برکت |
| ۱۸۷ | • ابراہیم علیہ السلام اور آذر میں مکالمہ | ۱۳۰ | • بتوں کے نام کئے ہوئے جانوروں کے نام؟ |
| ۱۹۱ | • مشرکین کا توحید سے فرار | ۱۳۲ | • اپنی اصلاح آپ کرو |
| ۱۹۳ | • غلیل الرحمن کو بشارت اولاد | ۱۳۴ | • معتبر کواہی کی شرائط |
| ۱۹۷ | • تمام رسول انسان ہی ہیں | ۱۳۶ | • روز قیامت انبیاء سے سوال |
| ۱۹۸ | • مغضوب لوگ | ۱۳۷ | • حضرت عیسیٰ کے معجزات |
| ۲۰۰ | • اس کی حیرت ناک قدرت | ۱۳۸ | • بنی اسرائیل کی ناشکری اور عذاب الہی |
| ۲۰۲ | • قدرت کی نشانیاں | ۱۳۹ | • روز قیامت نصاریٰ کی شرمندگی |
| ۲۰۳ | • شیطانی وعدے دھوکہ ہیں | ۱۴۶ | • موحدین کے لیے خوش خبریاں |
| ۲۰۴ | • اللہ بے مثال ہے وحدہ لا شریک ہے | ۱۴۸ | • اللہ کی بعض صفات |
| ۲۰۴ | • ہماری آنکھیں اور اللہ جل شانہ | ۱۴۹ | • کفار کو نافرمانی پر سخت انتباہ |
| ۲۰۶ | • ہدایت و شفا قرآن وحدیث میں ہے | ۱۵۰ | • انسانوں میں سے ہی رسول اللہ کا عظیم احسان ہے |
| ۲۰۷ | • وحی کے مطابق عمل کرو | ۱۵۱ | • ہر چیز کا مالک اللہ ہے |
| ۲۰۷ | • سود بازی نہیں ہوگی | ۱۵۳ | • قرآن حکیم کا باغی جہنم کا ایندھن |
| ۲۰۸ | • معجزوں کے طالب لوگ | ۱۵۵ | • قیامت کے دن شرکوں کا حشر |
| | | ۱۵۷ | • کفار کا داؤدایا مگر سب بے سود |
| | | ۱۵۸ | • پشیمانی مگر جہنم دیکھ کر! |
| | | ۱۵۸ | • حق کے دشمن کو اس کے حال پہ چھوڑ دینا آپ ﷺ کے سچے ہیں |
| | | ۱۶۱ | • معجزات کے عدم اظہار کی حکمت |

تفسیر ابن کثیر



چند اہم مضامین کی فہرست



- ۲۱۹ ہر نبی کو ایذا دی گئی
۲۱۹ اللہ کے فیصلے اٹل ہیں
۲۱۶ صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا ذبیحہ حلال باقی سب حرام
۲۱۶ سدھائے ہوئے کتوں کا شکار
۲۱۹ مومن اور کافر کا تقابل جائزہ
۲۲۰ بستیوں کے رئیس گمراہ ہو جائیں تو تباہی کی علامت ہوتے ہیں
۲۲۲ جس پر اللہ کا کرم اس پر راہ ہدایت آسان
۲۲۳ قرآن حکیم ہی صراطِ مستقیم کی تشریح ہے
۲۲۳ یومِ ہشر
۲۲۷ سب سے بے نیاز اللہ
۲۲۸ بدعت کا آغاز
۲۲۹ مذربار
۲۳۰ اولاد کے قاتل
۲۳۰ مسائل زکوٰۃ اور عشر مظاہر قدرت
۲۳۳ خود ساختہ حلال و حرام جہالت کا شر ہے
۲۳۴ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حلال و حرام
۲۳۶ مشرک ہو یا کافر تو پیکر لے تو معاف!
۲۳۸ نبی اکرم ﷺ کی وصیتیں
۲۴۱ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید
۲۴۱ شیطانی راہیں فرقہ سازی
۲۴۵ قیامت اور بے بسی
۲۴۷ اہل بدعت گمراہ ہیں
۲۵۱ جموں نے معبود غلط سہارے
۲۵۲ اللہ کی رحمت اللہ کے غضب پر غالب ہے
۲۵۴ سابقہ باغیوں کی بستیوں کے کھنڈرات باعث عبرت ہیں
۲۵۷ اہل بیت آدم علیہ السلام اور نسلِ آدم
- ۲۱۹ اہل بیت کا طریقہ واردات اس کی اپنی زبانی
۲۱۹ اللہ تعالیٰ کے نافرمان جہنم کا اندھن ہیں
۲۱۶ پہلا امتحان اور اسی میں انحراف اور اس کا انجام
۲۱۶ سفر ارضی کے بارہ میں یہودی روایات
۲۱۹ لباس اور داڑھی جمال و جلال
۲۲۰ اہل بیت سے بچنے کی تاکید
۲۲۲ جہالت اور طواف کعبہ
۲۲۳ برہنہ ہو کر طواف منع قرار دے دیا گیا
۲۲۴ موت کی ساعت طے شدہ ہے۔۔۔ اور اٹل ہے
۲۲۷ اللہ پر بہتان لگانے والا سب سے بڑا ظالم ہے
۲۲۸ کفار کی گردنوں میں طوق
۲۲۹ بدکاروں کی روٹیں دھتکاری جاتی ہیں
۲۳۰ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل انسانی بس میں ہے!
۲۳۰ جہنمیوں اور دوزخیوں میں مکالمہ
۲۳۳ جنت اور جہنم میں دیوار اور اعراف والے
۲۳۴ کفر کے ستون اور ان کا حشر
۲۳۶ آخری حقیقت جنت اور دوزخ کا مشاہدہ
۲۳۸ تمام مظاہر قدرت اس کی شان کے مظہر ہیں
۲۴۱ نوح علیہ السلام پر کیا گزری؟
۲۴۱ ہود علیہ السلام اور ان کا رویہ!
۲۴۵ قوم عاد کا باغیانہ رویہ
۲۴۷ ثمود کی قوم اور اس کا عبرت ناک انجام
۲۵۱ صالح علیہ السلام ہلاکت کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں
۲۵۲ لوط علیہ السلام کی بدتہیبت قوم
۲۵۴ خطیب الانبیاء شعیب علیہ السلام
۲۵۷ قوم شعیب کی بد اعمالیاں

تفسیر ابن کثیر

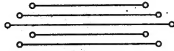


چند اہم مضامین کی فہرست



- | | | | |
|-----|---|-----|--|
| ۳۵۵ | • صد اقت رسالت پر اللہ کی گواہی | ۳۰۲ | • شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنی بربادی کو آواز دی |
| ۳۵۶ | • قیامت کب اور کس وقت؟ | ۳۰۳ | • عوام کی فطرت |
| ۳۵۹ | • نبی ﷺ کو علم غیب نہیں تھا | ۳۰۵ | • گناہوں میں ڈوبے لوگ؟ |
| ۳۶۰ | • ایک ہی باپ ایک ہی ماں اور تمام نسل آدم | ۳۰۶ | • مہد شکن لوگوں کی طے شدہ سزا |
| ۳۶۲ | • انسان کا الیہ خود ساز خدا اور اللہ سے دوری ہے | ۳۰۸ | • ناپاکار لوگوں کا تذکرہ -- انبیاء اور مومنین پر نظر کرم |
| ۳۶۶ | • جو اللہ سے ڈرتا ہے شیطان اس سے ڈرتا ہے | ۳۰۸ | • موسیٰ علیہ السلام اور فرعون |
| ۳۶۸ | • سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے | ۳۰۸ | • عصائے موسیٰ اور فرعون |
| ۳۶۸ | • سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی | ۳۰۹ | • دربار یوں کا مشورہ |
| ۳۷۰ | • اللہ کی یاد بکثرت کرو مگر خاموشی سے | ۳۱۰ | • جادو گروں سے مقابلہ |
| ۳۷۵ | • ایمان سے خالی لوگ اور حقیقت ایمان | ۳۱۱ | • جادو گر مجبور ہر بڑ ہو گئے |
| ۳۷۷ | • شیع رسالت کے جاں نثاروں کی دعائیں | ۳۱۱ | • فرعون سیخ پا ہو گیا |
| ۳۸۰ | • سب سے پہلا معجزہ وہ بدر بنیاد لا الہ الا اللہ | ۳۱۳ | • آخری حربہ بغاوت کا الزام |
| ۳۸۴ | • تائید الہی کے بعد فتح و کامرانی | ۳۱۷ | • انجام سرکشی |
| ۳۸۶ | • شہیدان و فاکے قصے | ۳۱۹ | • احسانات پر احسانات |
| ۳۸۸ | • اللہ کی مدد ہی وجہ کامرانی ہے | ۳۲۲ | • انبیاء کی فضیلت پر ایک تبصرہ |
| ۳۹۰ | • ایمان والوں کا معین و مددگار اللہ عز و جل | ۳۲۳ | • بنی اسرائیل کا چھترے کو پوجنا |
| ۳۹۱ | • اللہ کی نگاہ میں بدترین مخلوق | ۳۲۵ | • موسیٰ علیہ السلام کی طور پر واپسی |
| ۳۹۱ | • دل رب کی انگلیوں میں ہیں | ۳۲۵ | • النبی العالم اور النبی الخاتم ﷺ |
| ۳۹۳ | • برائیوں سے نہ روکنا عذاب الہی کا سبب ہے | ۳۲۷ | • انبیاء کا قاتل گروہ |
| ۳۹۴ | • اہل ایمان پر اللہ کے احسانات | ۳۳۰ | • اصحاب سبت |
| ۳۹۵ | • اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو | ۳۳۲ | • اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ذلت و رسوائی |
| ۳۹۶ | • دنیا و آخرت کی سعادت مندی | ۳۳۳ | • رشوت خوری کا انجام ذلت و رسوائی ہے |
| ۳۹۷ | • رسول اللہ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش | ۳۳۸ | • بلعم بن باعور |
| ۳۹۹ | • عذاب الہی نہ آنے کا سبب: اللہ کے رسول اور استغفار | ۳۵۲ | • اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے |
| ۴۰۳ | • شکست خوردہ کفار کی سازشیں | ۳۵۴ | • امت محمد ﷺ کے اوصاف |
| ۴۰۴ | • فتنے کے اختتام تک جہاد جاری رکھو | ۳۵۵ | • سامان فحش کی کثرت عتاب الہی بھی ہے |

تفسیر ابن کثیر

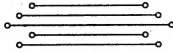


چند اہم مضامین کی فہرست



- ۴۷۳ • مال غنیمت کی تقسیم کا بیان ۴۱۰ • جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے
- ۴۷۴ • اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے ذریعے ایمان کو کفر سے ممتاز کر دیا ۴۱۴ • عیار لوگوں کو بے نقاب کر دو
- ۴۷۵ • جہاد کے وقت کثرت سے اللہ کا ذکر ۴۱۷ • ناصح کے ناصح کے
- ۴۷۶ • میدان بدر میں ایلیس مشرکین کا ہمارا ہی تھا ۴۱۸ • غلط گو غلط کار کفار و منافق
- ۴۷۷ • کفار کے لیے سکرات موت کا وقت بڑا شدید ہے ۴۲۲ • قہر و فساد کی آگ منافق
- ۴۷۷ • اللہ ظالم نہیں لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں ۴۲۳ • جد بن قیس جیسے بدتمیزوں کا حشر
- ۴۷۸ • زمین کی بدترین مخلوق وعدہ خلاف کفار ہیں ۴۲۳ • بد فطرت لوگوں کا دو غلاہن
- ۴۷۸ • کفار کے مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار رہو ۴۲۴ • شہادت ملی تو جنت، بچ گئے تو غازی
- ۴۷۹ • ایک غازی دس کفار پیہ بھاری ۴۲۸ • کثرت مال و دولت عذاب بھی ہے
- ۴۸۰ • امیران بدر اور مشورہ ۴۲۹ • جمہوری قسمیں کھانے والوں کی حقیقت
- ۴۸۰ • مجاہدین بدر کی شان ۴۳۳ • مال و دولت کے حریص منافق
- ۴۸۲ • دو مختلف مذہب والے آپس میں دوست نہیں ہو سکتے ۴۳۵ • نکتہ چین منافقوں کا مقصد
- ۴۸۳ • مجاہد اور انصار میں وحدت ۴۳۵ • نادان اور کوڑھ مغرور کون؟
- ۴۸۵ • جہاد اور حرمت والے مہینے ۴۴۱ • مسلمان باہم گفتگو میں محتاط رہا کریں
- ۴۸۶ • پابندی عہد کی شرائط ۴۴۳ • ایک کے ہاتھ نیکوں کے کھیت دوسرے ہاتھ برائیوں کی دبا
- ۴۸۸ • جہاد ہی راہ اصلاح ہے ۴۴۴ • بدکاروں کے ماضی سے عبرت حاصل کرو
- ۴۸۹ • وعدہ خلاف قوم کو دندان شکن جواب دو ۴۴۵ • مسلمان ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں
- ۴۸۹ • غلاموں کو ان کے کفر کر دار کو پہنچاؤ ۴۴۵ • مومنوں کو نیکوں کے انعامات
- ۴۹۵ • سب سے بڑی عبادت اللہ کی راہ میں جہاد ہے ۴۴۸ • دعا قبول ہوئی تو اپنا عہد بھول گیا
- ۴۹۶ • ترک موالات و مودت کا حکم ۴۵۰ • منافقوں کا مومنوں کی حوصلہ شکنی کا ایک انداز
- ۴۹۸ • نصرت الہی کا ذکر ۴۵۱ • منافق کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت ہے
- ۴۹۸ • مشرکین کو حد و حریم سے نکادو ۴۵۵ • جہنم کی آگ کالی ہے
- ۵۰۰ • بزرگ بڑے نہیں اللہ جل شانہ سب سے بڑا ہے ۴۵۷ • منافقوں کا جنازہ
- ۵۰۳ • احترام آدمیت کا منشور ۴۶۵ • منافق کی آخرت خراب
- ۵۰۳ • احکامات دین میں رد و بدل انتہائی مذموم سوچ ہے ۴۶۹ • عدم جہاد کے شرعی عذر
- ۴۷۱ • غزوہ تبوک اور جہاد سے گریزاں لوگوں کو انبیاء

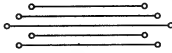
تفسیر ابن کثیر



چند اہم مضامین کی فہرست

- ۵۵۶ • فاسق اور جو ہے کی مماثلت ۵۰۸
- ۵۵۸ • دیہات، صحرا اور شہر ہر جگہ انسانی فطرت یکساں ہے ۵۰۹
- ۵۵۹ • دعاؤں کے طلبگار تین 'مبتدع' نہیں ۵۱۰
- ۵۶۱ • سابقوں کو بشارت ۵۱۰
- ۵۶۱ • تساہل اور سستی سے بچو ۵۱۳
- ۵۶۲ • صدقہ مال کا تزکیہ ہے ۵۱۴
- ۵۶۲ • ایک قصہ ایک عبرت 'مسجد قرار' ۵۱۶
- ۵۶۴ • مومنین کی صفات ۵۲۲
- ۵۶۵ • مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کی نبی اکرمؐ کو مانعت ۵۲۳
- ۵۶۵ • تپتے صحرا شدت کی پیاس اور مجاہدین سرگرم سفر ۵۲۷
- ۵۶۷ • غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں کو تنبیہ ۵۳۳
- ۵۶۷ • مجاہدین کے اعمال کا بہترین بدلہ قربت الہی ۵۳۳
- ۵۶۸ • اسلامی مرکز کا استحکام اولین اصول ہے ۵۳۴
- ۵۶۹ • فرمان الہی میں شک و شبہ کفر کا مرض ہے ۵۳۶
- ۵۷۱ • رسول اکرمؐ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہیں ۵۳۷
- ۵۷۲ • عقل زدہ کا فرائد رسول اللہ ﷺ ۵۴۰
- ۵۷۳ • تخلیق کائنات کی قرآن رو داد ۵۴۰
- ۵۷۳ • قیامت کا عمل اسی تخلیق کا اعادہ ہے ۵۴۱
- ۵۷۷ • اللہ عزوجل کی عظمت و قدرت کے ثبوت مظاہر کائنات ۵۴۱
- ۵۷۸ • کفار کی بدترین محبتیں ۵۴۵
- ۵۸۰ • شرک کے آغاز کی رو داد ۵۴۸
- ۵۸۰ • احسان فراموش انسان ۵۵۰
- ۵۸۱ • دنیا راور اس کی حقیقت ۵۵۱
- ۵۸۲ • عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ۵۵۲
- ۵۸۳ • اللہ کی الوہیت کے منکر ۵۵۵
- ۵۸۴ • مصنوعی معبودوں کی حقیقت ۵۵۶
- ۵۰۸ • اعجاز قرآن حکیم
- ۵۰۹ • مشرکین سے اجتناب فرمالیجئے
- ۵۱۰ • اللہ تعالیٰ ہی مقتدر اعلیٰ ہے
- ۵۱۰ • مٹی ہونے کے بعد جینا کیسا ہے؟
- ۵۱۳ • خالص کل عالم کل ہے
- ۵۱۴ • رسول کریم ﷺ کے منصب عظیم کا تذکرہ
- ۵۱۶ • بغیر شرعی دلیل کے حلال و حرام کی مذمت
- ۵۲۲ • اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے
- ۵۲۳ • اولیاء اللہ کا تعارف
- ۵۲۷ • خوابوں کے بارے میں
- ۵۳۳ • عزت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے
- ۵۳۳ • ساری مخلوق صرف اس کی ملکیت ہے
- ۵۳۴ • نوح علیہ السلام کی قوم کا کردار
- ۵۳۶ • سلسلہ رسالت کا تذکرہ
- ۵۳۷ • موسیٰ علیہ السلام بمقابلہ فرعون بنی اسرائیل
- ۵۴۰ • بزدلی ایمان کے درمیان دیوار بن گئی
- ۵۴۰ • اللہ پہ مکمل بھروسہ ایمان کی روح ہے
- ۵۴۱ • قوم فرعون سے بنی اسرائیل کی نجات
- ۵۴۱ • بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات
- ۵۴۵ • ٹھوس دلائل کے باوجود انکار قابل مذمت ہے
- ۵۴۸ • اللہ کی حکمت سے کوئی آگاہ نہیں
- ۵۵۰ • دعوت غور و فکر
- ۵۵۱ • دین حنیف کی وضاحت
- ۵۵۲ • نافرمان کا اپنا نقصان ہے
- ۵۵۵ • تعارف قرآن حکیم
- ۵۵۶ • اللہ اندھیروں کی چادروں میں موجود ہر چیز کو دیکھتا ہے

تفسیر ابن کثیر



چند اہم مضامین کی فہرست

- ۵۸۶ • انبیاء کے فرماں بردار اور جنت
۵۸۶ • مشرکوں کا حشر
۵۸۸ • استقامت کی ہدایت
۵۹۰ • اوقات نماز کی نشاندہی
۵۹۱ • نیکی کی دعوت دینے والے چند لوگ
۵۹۳ • ذکر ماضی تمہارے لیے سامان سکون
۵۹۵ • تعارف قرآن برزاق اللہ الرحمان
۵۹۷ • بہترین قصہ حضرت یوسف علیہ السلام
۵۹۷ • یعقوب علیہ السلام کی تعمیر اور ہدایت
۵۹۸ • بشارت اور نصیحت بھی
۶۰۴ • یوسف علیہ السلام کے خاندان کا تعارف
۶۰۵ • بڑے بھائی کی رائے پر اتفاق
۶۰۶ • بھائی اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو گئے
۶۰۶ • کنویں سے بازار صربک
۶۰۷ • بازار مصر سے شاہی محل تک
۶۰۸ • زلیخا کی بدعتی سے الزام تک
۶۰۹ • یوسف علیہ السلام کے تقدس کا سبب
۶۱۰ • الزام کی مدافعت اور بچے کی گواہی
۶۱۲ • داستان شوق اور حسنینان مصر
۶۱۳ • جیل خانہ اور یوسف علیہ السلام
۶۱۴ • جیل خانہ میں بادشاہ کے باورچی اور ساقی سے ملاقات
۶۱۶ • جیل خانہ میں خوابوں کی تعبیر کا سلسلہ اور تیغ توحید
۶۱۷ • خواب اور اس کی تعبیر
۶۱۹ • تعبیر بتا کر بادشاہ وقت کو اپنی بادشاہی کی تاکید
۶۲۰ • شاہ مصر کا خواب اور تلاش تعبیر میں حضرت یوسف تک رسائی
۶۲۲ • تعبیر کی صداقت اور شاہ مصر کا حضرت یوسف کو وزارت سونپنا
• ہر مخلوق کا روزی رسالہ اللہ
• تخلیق کائنات کا تذکرہ
• انسان کا نفسانی تجزیہ
• ریاضہ نیکی کے لیے ذہر ہے
• مومن کون ہیں؟
• عقل و ہوش اور ایمان والے لوگ
• آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلا نبی؟
• دعوت حق سب کے لیے کیسا ہے
• میرا پیغام اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت ہے
• قوم نوح کا مانگا ہوا عذاب اسے ملا
• نوح کی اپنے بیٹے کے لیے نجات کی دعا اور جواب
• طوفان نوح کا آخری منظر
• یہ تاریخ ماضی وحی کے ذریعہ بیان کی گئی
• قوم ہود کی تاریخ
• قوم ہود کے مطالبات
• ہود علیہ السلام کا قوم کو جواب
• صالح علیہ السلام اور ان کی قوم میں مکالمات
• ابراہیم علیہ السلام کو بشارت اولاد اور فرشتوں سے گفتگو
• حضرت ابراہیم کی بردباری اور سفارش
• حضرت لوط علیہ السلام کے گھر فرشتوں کا نزول
• لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوتا ہے
• اہل مدین کی جانب حضرت شعیب کی آمد
• پرانے مجبوروں سے دستبرداری سے انکار
• قوم مدین کا جواب اور اللہ کا عتاب
• قبیلہ قوم کا سردار فرعون اور موسیٰ علیہ السلام
• عذاب یافتہ لوگوں کی چیخیں

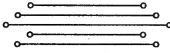
تفسیر ابن کثیر



چند اہم مضامین کی فہرست

- | | | |
|-----|-------------------------------------|--------------------------------------|
| ۷۰۶ | • کافر موت مانگیں گے | • دعوت وحدانیت |
| ۷۰۷ | • شاداں و فرجاں لوگ | • رسول اور نبی صرف مرد ہی ہوئے ہیں |
| ۷۰۸ | • ہر کام کا وقت مقرر ہے | • جب مخالفت عروج پر ہو |
| ۷۱۰ | • آپ ﷺ کے انتقال کے بعد | • عبرت و نصیحت |
| ۷۱۱ | • کافروں کے شر مناک کارنامے | • عالم سفلی کے انواع و اقسام |
| ۷۱۱ | • رسالت کے منکر | • عقل کے اندھے ضدی لوگ |
| ۷۱۳ | • ہر قوم کی اپنی زبان میں رسول | • منکرین قیامت |
| ۷۱۵ | • اولاد کا قاتل | • اعتراض برائے اعتراض |
| ۷۱۷ | • کفار اور انبیاء میں مکالمات | • علم الہی |
| ۷۱۸ | • آل لوط | • سب پر محیط علم |
| ۷۲۰ | • بے سود اعمال | • بجلی کی گرج |
| ۷۲۱ | • حیات ثانیہ | • دعوت حق |
| ۷۲۱ | • چھیل میدان اور مخلوقات | • عظمت و عظمت الہی |
| ۷۲۳ | • طوطا چشم دشمن شیطان | • اندھیرا اور روشنی |
| ۷۲۳ | • لا الہ الا اللہ کی شہادت | • باطل بے ثبات ہے |
| ۷۲۷ | • قبر کا عذاب | • ذوالقرنین |
| ۷۳۳ | • منافقین قریش | • ایک موازنہ |
| ۷۳۴ | • احسان اور احسن سلوک | • مناقب کا نفسیاتی تجزیہ |
| ۷۳۵ | • سب کچھ تمہارا مطیع ہے | • بروج و بالا خانے |
| ۷۳۶ | • حرمت و عظمت کا مالک شہر | • مومنین کی صفات |
| ۷۳۷ | • دوسری دعا | • مستدرزق |
| ۷۳۸ | • مناجات | • مشرکین کے اعتراض |
| ۷۳۹ | • عذاب دیکھنے کے بعد | • رسول اللہ ﷺ کی حوصلہ افزائی |
| ۷۴۰ | • انبیاء کی مدد | • قرآن حکیم کی صفات جلیلہ |
| ۷۴۲ | • جکڑے ہوئے مسعد انسان | • سچائی کا مذاق اڑانا آج بھی جاری ہے |
| ۷۴۳ | • تمام انسان اور جن پابند اطاعت ہیں | • عالم خیر و شر |

تفسیر ابن کثیر



چند اہم مضامین کی فہرست



- | | | | |
|-----|---|-----|---|
| ۷۸۱ | • اللہ عز وجل کا غضب | ۷۴۷ | • سرکش و متکبر ہلاک ہوں گے |
| ۷۸۲ | • عرش سے فرش تک | ۷۴۹ | • ستارے اور شیاطین |
| ۷۸۳ | • ہر چیز کا واحد مالک وہی ہے | ۷۵۰ | • اللہ تعالیٰ کے خزانے |
| ۷۸۴ | • باز پرس لازمی ہوگی | ۷۵۲ | • ابلیس لعین کا انکار |
| ۷۸۵ | • وہ بندوں کو مہلت دیتا ہے | ۷۵۳ | • جنت میں کوئی بغض و کینہ نہ رہے گا |
| ۷۸۶ | • شیطان کے دوست | ۷۵۸ | • قوم لوط کی فرمستیاں |
| ۷۸۹ | • بہترین دعا | ۷۵۸ | • آل ہود کا عبرتناک انجام |
| ۷۹۰ | • مشرکین کی جہالت کا ایک انداز | ۷۵۹ | • اصحاب ایکہ کا المناک انجام |
| ۷۹۰ | • بندوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان | ۷۵۹ | • آل فرعون کی تباہیاں |
| ۷۹۱ | • توحید کی تاکید | ۷۶۰ | • نبی اکرم ﷺ کو تسلیاں |
| ۷۹۲ | • مومن اور کافر میں فرق | ۷۶۰ | • قرآن عظیم سے معاشی اور ایک لازوال دولت |
| ۷۹۶ | • ہر امت کا گواہ اس کا نبی | ۷۶۲ | • انبیاء کی تکذیب عذاب الہی کا سبب ہے |
| ۷۹۸ | • کتاب بینین | ۷۶۳ | • روز قیامت ایک ایک چیز کا سوال ہوگا |
| ۸۰۰ | • عہد و پیمان کی حفاظت | ۷۶۳ | • رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کا عبرتناک انجام |
| ۸۰۲ | • کتاب و سنت کے فرماں بردار | ۷۶۴ | • یقین کا مفہوم |
| ۸۰۳ | • آغوش کا مقصد | ۷۶۶ | • وحی کیا ہے؟ |
| ۸۰۴ | • سب سے زیادہ منزلت و رفعت : | ۷۶۷ | • چوپائے اور انسان |
| ۸۰۸ | • صبر و استقامت | ۷۶۹ | • تقویٰ بہترین زادراہ ہے |
| ۸۰۹ | • اللہ کی عظیم نعمت بعثت نبویؐ ہے | ۷۷۰ | • سورج چاندی گردش میں پوشیدہ فوائد |
| ۸۱۰ | • حلال و حرام صرف اللہ کی طرف سے ہیں | ۷۷۲ | • اللہ خالق کل |
| ۸۱۱ | • دوسروں سے منسوب ہر چیز حرام ہے | ۷۷۳ | • قرآن حکیم کے ارشادات کو دیرینہ کہنا کفر کی علامت ہے |
| ۸۱۱ | • جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہدایت کے امام | ۷۷۴ | • نمرود کا تذکرہ |
| ۸۱۳ | • حکمت سے مراد کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ہے | ۷۷۵ | • مشرکین کی جان کنی کا عالم |
| ۸۱۴ | • قصاص اور حصول قصاص | ۷۷۹ | • اللہ ہر چیز پر قادر ہے |
| ۸۱۵ | • ملائکہ اور مجاہدین | ۷۷۹ | • دین کی پاسبانی میں ہجرت |
| | | ۷۸۰ | • انسان اور منصب رسالت پر اختلاف |

تفسیر سورۃ المائدہ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عصباء کی تکمیل تھاے ہوئی تھی جو آپ پر سورۃ مائدہ پوری نازل ہوئی۔ قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ اس وقت آپ سفر میں تھے وحی کے بوجھ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی (ابن مردویہ) اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو حضور اس پر سے اتر گئے (مسند احمد) ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ سب سے آخری سورت جو حضور پر اتری وہ سورۃ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ ہے مستدرک حاکم میں ہے حضرت جبیر بن نفیرؓ فرماتے ہیں میں حج کے لئے گیا۔ وہاں حضرت اماں عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم سورۃ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں فرمایا سنو سب سے آخری یہی سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جس چیز کو حلال پاؤ، حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ، حرام ہی جانو۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ پھر میں نے اماں محترمہؓ سے آنحضرت ﷺ کے اخلاق کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضورؐ کے اخلاق قرآن کا عملی نمونہ تھے۔ یہ روایت نسائی شریف میں بھی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ
إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ إِنَّ اللَّهَ
يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ

رحمت و رحم کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع

اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کیا کرو تمہارے لئے سوئی ہوئے چائے حلال کئے جاتے ہیں بجز ان کے جن کے نام پڑھ سنا دیئے جائیں گے مگر حالت احرام

میں شکار کو حلال جانے والے نہ جنہا ً یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے ○

ایک بے دلیل روایت اور وفائے عہد کی تاکید: ﴿☆ آیت ۱﴾ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہا: آپ مجھے خاص نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: ”جب تو قرآن میں لفظ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سُن تو فوراً کان لگا کر دل سے متوجہ ہو جا“ کیونکہ اس کے بعد کسی نہ کسی بھلائی کا حکم ہو گا یا کسی نہ کسی برائی سے ممانعت ہوگی۔“ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں ”جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کوئی حکم دیا ہے اس حکم میں نئی بھی شے شامل ہیں“ حضرت فیضؒ فرماتے ہیں کہ کلمات میں بجائے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے یَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ ہے۔ ایک روایت ابن عباسؓ کے نام سے بیان کی جاتی ہے کہ جہاں کہیں لفظ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ہے ان تمام مواقع پر ان سب ایمان والوں کے سردار و شریف اور امیر حضرت علیؓ ہیں اسحاب رسولؐ میں سے ہر ایک کو ڈانٹا گیا ہے بجز حضرت علیؓ بن ابوطالبؓ کے کہ انہیں کسی امر میں نہیں ڈانٹا گیا یا دُر ہے کہ یہ اثر بالکل بے دلیل ہے۔ اس کے الفاظ منکر ہیں اور اس کی سند بھی صحیح نہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا راوی عیسیٰ بن راشد مجہول ہے اس کی روایت منکر ہے۔ میں کہتا ہوں اسی طرح اس کا دوسرا راوی علی بن یزید کو ثقہ ہے مگر علیؓ درجہ کا شیعہ ہے۔ پھر بھلا اس کی ایسی روایت جو اس کے اپنے خاص خیالات کی تائید میں ہو کیسے قبول کی جا سکے؟ یقیناً وہ اس میں ناقابل قبول ضمیرے گا اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام صحابہؓ کو بجز حضرت علیؓ کے ڈانٹا گیا اس سے مراد ان کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے سرکشی کرنے سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا تھا پس ایک سے زیادہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس پر عمل صرف حضرت علیؓ ہی نے کیا اور پھر یہ فرمان اُترا کہ ءَاشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا الْخَيْرَ لِيْ لَئِنْ فَعَلْتُمْ كُنْتُمْ جَافِلِينَ اس آیت میں صحابہؓ کو ڈانٹا گیا بلکہ دراصل یہ حکم بطور وجوب کے تھا یہی نہیں اختیار کیا۔ پھر اس پر عمل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا۔ پس حقیقت کسی سے اس کے خلاف عمل سرزد ہی نہیں ہوا۔ پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ حضرت علیؓ کو کسی بات میں ڈانٹا نہیں گیا۔ سورۃ انفال کی آیت ۱۷ ملاحظہ ہو جس میں ان تمام صحابہؓ کو ڈانٹا گیا ہے جنہوں نے بدری قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا دراصل سوائے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باقی تمام صحابہؓ کا مشورہ یہی تھا۔ پس یہ ڈانٹ بجز حضرت عمرؓ کے باقی سب کو ہے۔ جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں۔ پس یہ تمام باتیں کھلی دلیل ہیں اس امر کی کہ یہ اثر بالکل ضعیف اور ہودا ہے واللہ اعلم۔

ابن جریر میں حضرت محمد بن سلمہؒ فرماتے ہیں جو کتاب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو لکھوا کر دی تھی جبکہ انہیں نجران بھیجا تھا اس کتاب کو میں نے ابوبکر بن حزم کے پاس دیکھا تھا اور اسے پڑھا تھا اس میں اللہ اور رسول کے بہت سے احکام تھے اس میں یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ سے إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ تک بھی لکھا ہوا تھا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمرو بن حزمؓ کے پوتے حضرت ابوبکر بن محمدؒ نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی یہ کتاب ہے جو آپؐ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو لکھوا کر دی تھی جبکہ انہیں یمن والوں کو دینی کچھ اور حدیث سکھانے کے لئے اور ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا اس وقت یہ کتاب لکھ کر دی تھی اس میں مہدی بیان اور حکم احکام کا بیان ہے۔ اس میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد لکھا ہے یہ کتاب ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اے ایمان والو وعدوں کا اور عہد و پیمان کو پورا کر دینا عہد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عمرو بن حزم کے لئے ہے جبکہ انہیں یمن بھیجا۔ انہیں اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے رہیں اور جو احسانِ خلوص اور خشکی کریں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں۔ ”عقود سے مراد عہد ہیں۔“ ابن جریر اس پر اجماع بتلاتے ہیں خواہ قسیمیہ عہد و پیمان ہو یا اور وعدے ہوں سب کو پورا کرنا فرض ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی

مردی ہے کہ ”عہد پورا کرنے میں اللہ کے حلال کو حلال جاننا اس کے حرام کو حرام جاننا اس کے فرائض کی پابندی کرنا اس کی حد بندی کی نگہداشت کرنا بھی ہے کسی بات کا خلاف نہ کر دھوکہ نہ دے کسی حرام کام کو نہ کر دھوکہ نہ دے۔ پڑھو آیت وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ لَهُمْ سَوْءُ الْعَذَابِ“ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں ”اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے حلال کو اس کے حرام کو اس کے وعدوں کو جو ایمان کے بعد ہر مومن کے ذمہ آ جاتے ہیں پورا کرنا اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ فرائض کی پابندی حلال حرام کی عقیدت مندی وغیرہ وغیرہ“ حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں ”یہ چھ عہد ہیں اللہ کا عہد آپس کی یگانگت کا قسمیہ عہد شریعت کا عہد تجارت کا عہد نکاح کا عہد اور قسمیہ وعدہ۔“ محمد بن کعبؒ کہتے ہیں ”پانچ ہیں جن میں جاہلیت کے زمانہ کی قسمیں ہیں اور شریعت تجارت کے عہد و بیان ہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت پوری ہو چکنے کے بعد گواہ تک خرید اور بیچنے والے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں تاہم واپس لوٹانے کا اختیار نہیں وہ اپنی دلیل اس آیت کو تپلاتے ہیں۔“ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔

لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کے خلاف ہیں اور جمہور علماء کرام بھی اس کے مخالف ہیں اور دلیل میں وہ صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”خرید و فروخت کرنے والوں کو سودے کے واپس لینے دینے کا اختیار ہے جب تک کہ جدا جدا نہ ہو جائیں“ صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ ”جب دو شخصوں نے خرید و فروخت کر لی تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونے تک اختیار باقی ہے یہ حدیث صاف اور صریح ہے کہ یہ اختیار خرید و فروخت پورے ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ ہاں اسے بیع کے لازم ہو جانے کے خلاف نہ سمجھا جائے بلکہ یہ شرعی طور پر اسی کا مقتضی ہے پس اسے نبھانا بھی اسی آیت کے ماتحت ضروری ہے۔ پھر فرماتا ہے ”موسیٰ چو پائے تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں یعنی اونٹ، گائے، بکری۔ ابوالحسنؒ قنادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں ”عرب میں ان کی لغت کے مطابق بھی یہی ہے“ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بہت سے بزرگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جس حلال مادہ کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے گو وہ مردہ ہو پھر بھی حلال ہے۔ ابوداؤدؒ ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ میں ہے کہ صحابہؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ اونٹنی گائے بکری ذبح کی جاتی ہے ان کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے تو ہم اسے کھا لیں یا پھینک دیں۔ آپ نے فرمایا ”اگر چاہو کھاؤ اس کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔“ امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ ابوداؤدؒ میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں ”پیٹ کے اندر والے بچے کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔“

پھر فرماتا ہے ”مردہ جن کا یمن تمہارے سامنے کیا جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ”اس سے مطلب مردار خون اور خنزیر کا گوشت ہے۔“ حضرت قنادہؒ فرماتے ہیں ”مرد اس سے از خود مردا ہوا جو نادرہ و جانور ہے جس کے ذبح پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو“ پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد اللہ کا فرمان حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اَلْمَيْتَةُ ہے یعنی تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور مردہ چیز جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر منسوب و مشہور کی جائے اور جو گاموٹھنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونٹنی جگہ سے گر کر مر جائے اور جو کسی لکر لگنے سے مر جائے اور جسے درندہ کھانے لگے پس یہ بھی گومویشیوں چوپایوں میں سے ہیں لیکن ان وجوہ سے وہ حرام ہو جاتے ہیں اسی لئے اس کے بعد فرمایا، لیکن جس کو ذبح کر ڈالو۔ جو جانور پرستش کا ہو پس ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے اور ایسا حرام کہ اس میں سے کوئی چیز حلال نہیں اسی لئے اس سے استدراک نہیں کیا گیا اور حلال کے ساتھ اس کا کوئی فرد ملایا نہیں گیا

پس یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ چوپائے مویشی تم پر حلال ہیں لیکن وہ جن کا ذکر ابھی آئے گا۔ جو بعض احوال میں حرام ہیں اس کے بعد کا جملہ حالات کی بنا پر منسوب ہے۔ مراد انعام سے عام ہے۔ بعض تو وہ جو انسانوں میں رہتے پلتے ہیں جیسے اونٹ، گائے، بکری اور بعض وہ جو جنگلی ہیں جیسے ہرن، نیل گائے اور جنگلی گدھے۔ پس پالتو جانوروں میں سے تو ان کو مخصوص کر لیا جو بیان ہوئے اور وحشی جانوروں میں سے احرام کی حالت میں کسی کو بھی شکار کرنا ممنوع قرار دیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے ”ہم نے تمہارے لئے چوپائے جانور ہر حال میں حلال کئے ہیں۔ پس تم احرام کی حالت میں شکار کھینے سے رک جاؤ اور اسے حرام جانو“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے اور اس کے تمام احکام سراسر حکمت سے پر ہیں اسی طرح اس کی ہر ممانعت میں بھی حکمت ہے اللہ وہ حکم فرماتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا
الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا أُمِّيْنَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَنْتَعُونَ
فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا
يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ
تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٥﴾

ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی بے حرشی نہ کرو۔ نہ ادب والے مہینوں کی نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان پٹے والے جانوروں کی جو کعبے کو چارہ ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد سے اپنے رب کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے چارہ ہوں۔ ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے ہو جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گذر جاؤ۔ نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہا کر ڈے شہدائے اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ۵

(آیت: ۲) ایماندارو! رب کے نشانوں کی توہین نہ کرو یعنی مناسک حج، صفا، مروہ، قربانی کے جانور اونٹ اور اللہ کی حرام کردہ ہر چیز، حرمت والے مہینوں کی توہین نہ کرو ان کا ادب کر ڈان کا لحاظ رکھو ان کی عظمت کو مانو اور ان میں خصوصیت کے ساتھ اللہ کی نافرمانیوں سے بچو۔ اور ان مبارک اور محترم مہینوں میں اپنے دشمنوں سے از خود لڑائی نہ چھیڑو۔ جیسے ارشاد ہے یَسْتَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ اے نبی لوگ تم سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کا حکم پوچھتے ہیں۔ تم ان سے کہو کہ ان میں لڑائی کرنا گناہ ہے۔ اور آیت میں ہے مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا ”ما نہ مہوم گھام کر ٹھیک اسی طرز پر آ گیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے جن میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں۔ تین تو پورے پورے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا ربیعہ قبیلہ مضر جب کہتا ہے جو جمادی الاخرہ اور شعبان کے درمیان ہے۔“ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مہینوں کی حرمت ناقیامت ہے جیسے کہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ ان ”مہینوں میں لڑائی کرنا حلال نہ کر لیا کرو۔“ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور حرمت والے مہینوں میں بھی دشمنان اسلام سے جہاد کی ابتدا کرنا بھی جائز ہے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

ہے فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ لَعْنَى جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ۔ اور مرد یہاں ان چار مہینوں کا گزر جانا ہے جب وہ چار مہینے گزر چکے جو اس وقت تھے تو اب ان کے بعد برابر جہاد جاری ہے اور قرآن نے پھر کوئی مہینہ خاص نہیں کیا بلکہ امام ابو جعفرؑ تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جہاد کدنا ہر وقت اور ہر مہینے میں جاری ہی رکھا ہے“ آپ فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اجماع ہے کہ ”اگر کوئی کافر حرم کے تمام درختوں کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لے تب بھی اس کے لئے امن و امان نہ بھیجے جائے گی۔ اگر مسلمانوں نے از خود اس سے پہلے اسے امن نہ دیا ہو۔“ اس مسئلہ کی پوری بحث یہاں نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا کہ ہڈی اور قلابد کی بے حرمتی بھی مت کرو۔ یعنی بیت اللہ شریف کی طرف قربانیاں بھیجے سے باز نہ رو کیونکہ اس میں اللہ کے نشانوں کی تعظیم ہے اور قربانی کے لئے جو اونٹ بیت الحرام کی طرف بھیجوان کے گلے میں بطور نشان پٹا ڈالنے سے بھی نہ کوتاہ کر اس نشان سے ہر کوئی پہچان لے کہ یہ جانور اللہ کے لئے اللہ کی راہ کے لئے وقف ہو چکا ہے۔ اب اسے کوئی برائی سے ہاتھ نہ لگائے گا بلکہ اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی شوق پیدا ہوگا کہ ہم بھی اس طرح اللہ کے نام جانور بھیجیں اور اس صورت میں ہمیں اس کی نیکی پر بھی اجر ملے گا کیونکہ جو شخص ہدایت کی طرف دوسروں کو بلاتے، اسی سے بھی وہ اجر ملے گا جو اس کی بات مان کر اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو کم کر کے اسے نہیں دے گا بلکہ اسے اپنے پاس سے عطا فرمائے گا۔

آنحضرت ﷺ جب حج کے لئے نکلے تو آپ نے وادی عقیق یعنی ذوالحلیفہ میں رات گزاری صبح اپنی نو بیویوں کے پاس گئے پھر غسل کر کے خوشبو لی اور دو رکعت نماز ادا کی اور اپنی قربانی کے جانور کے کوبان پر نشان کیا اور گلے میں پٹہ ڈالا اور حج اور عمرے کا احرام باندھا۔ قربانی کے لئے آپ نے بہت خوش رنگ، مضبوط اور نو جوان اونٹ ساٹھ سے اوپر اور اپنے ساتھ لئے تھے جیسے کہ قرآن کا فرمان ہے جو شخص اللہ کے احکام کی تعظیم کرنے اس کا دلی تقویٰ والا ہے۔ بعض سلف کافران ہے کہ ”تعظیم بھی یہی ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح رکھا جائے اور انہیں خوب کھلایا جائے اور مضبوط اور موٹا کیا جائے۔“ حضرت علی بن ابوطالبؓ فرماتے ہیں ”ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں اور کان دیکھ بھال کر خریدیں“ (رواہ اہل السنن) مقاتل بن حیانؓ فرماتے ہیں ”جاہلیت کے زمانے میں جب یہ لوگ اپنے وطن سے نکلتے تھے اور حرمت والے مہینے نہیں ہوتے تھے تو یہ اپنے اپنے اوپر بالوں اور اونٹ کو لپیٹ لیتے تھے اور حرم میں رہنے والے مشرک لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں اپنے جسم پر باندھ لیتے تھے اس سے عام لوگ انہیں امن دیتے تھے اور ان کو مارتے پٹتے نہ تھے۔“

حضرت ابن عباسؓ سے بروایت حضرت مجاہدؒ مروی ہے کہ اس سورت کی دو آیتیں منسوخ ہیں ”آیت قلائد اور یہ آیت فَإِذَا جَاءَ وَكَفَّاحُكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرَضْ عَنْهُمْ لیکن حضرت حسنؓ سے جب سوال ہوتا ہے کہ ”کیا اس سورت میں سے کوئی آیت منسوخ ہوئی ہے؟“ تو آپ فرماتے ہیں ”نہیں“ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ”وہ لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں لٹکا لیا کرتے تھے اور اس سے انہیں امن ملتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حرم کے درختوں کو کاٹنا منع فرمادیا۔“ پھر فرماتا ہے ”جو لوگ بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہوں ان سے لڑائی مت لڑو۔ یہاں جو آئے وہ امن میں پہنچ گیا“ پس جو اس کے قصد سے چلا ہے اس کی نیت اللہ کے فضل کی تلاش اور اس کی رضا مندی کی جستجو ہے۔ تو اب اسے ڈر خوف میں نہ رکھو اس کی عزت اور ادب کرو اور اسے بیت اللہ سے نہ روکو۔“ بعض کا قول ہے کہ ”اللہ کا فضل تلاش کرنے سے مراد تجارت ہے۔“ جیسے اس آیت میں ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ یعنی زمانہ حج میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ رضوان سے مراد حج کرنے میں اللہ کی مرضی کو تلاش کرنا ہے۔ ابن جریرؒ وغیرہ فرماتے ہیں ”یہ آیت عظیم بن ہند بکری کے

بارے میں نازل ہوئی ہے اس شخص نے مدینہ کی چراگاہ پر دھاوا ڈالا تھا۔ پھر اگلے سال یہ عمرے کے ارادے سے آ رہا تھا تو بعض صحابہ کا ارادہ ہوا کہ اسے راستے میں روکیں۔ اس پر یہ فرمان نازل ہوا۔ ”امام ابن جریر نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ ”جو شرک مسلمانوں کی امان لیے ہوئے نہ ہو تو گودہ بیت اللہ شریف کے ارادے سے جا رہا ہو یا بیت المقدس کے ارادے سے اُسے قتل کرنا جائز ہے یہ حکم ان کے حق میں منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

ہاں جو شخص وہاں الحاد پھیلانے کے لئے جا رہا ہے اور شرک و کفر کے ارادے سے قصد کرتا ہو تو اسے روکا جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے مؤمن و شرک سب حج کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت تھی کہ کسی مؤمن کا فر کو نہ روکیں اس کے بعد یہ آیت اتری کہ **اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا** یعنی مشرکین سر اسرگس ہیں اور وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں گے۔ اور فرمان ہے **مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ اَنْ يَّعْمُرُوا مَسْجِدَ اللّٰهِ** یعنی مشرکین اللہ کی مسجدوں کو آباد رکھنے کے ہرگز اہل نہیں۔ اور فرمان ہے **اِنَّمَا يَعْمرُ مَسْجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** یعنی اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہی آباد رکھ سکتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں۔ پس مشرکین مسجدوں سے روک دیئے گئے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں **”وَلَا الْفُلَايِدَ وَلَا اٰمِيْنَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ“** منسوخ ہے جاہلیت کے زمانہ میں جب کوئی شخص اپنے گھر سے حج کے ارادے سے نکلتا تو وہ درخت کی چھال وغیرہ باندھ لیتا تو راستے میں اسے کوئی نہ ستاتا، پھر لوٹتے وقت بالوں کا ہار ڈال لیتا اور محفوظ رہتا۔ اس وقت تک مشرکین بیت اللہ سے روکے نہ جاتے تھے تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حرمت والے مہینوں میں نہ لڑیں اور نہ بیت اللہ کے پاس لڑیں پھر اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ مشرکین سے لڑو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔ ”ابن جریر کا قول ہے کہ ”فلائد سے مراد یہی ہے جو ہار وہ حرم سے گلے میں ڈال لیتے تھے اور اس کی وجہ سے اسن میں رہتے تھے۔ عرب میں اس کی تعظیم برابر چلی آ رہی تھی اور جو اس کا خلاف کرتا تھا اسے بہت برا کہا جاتا تھا اور شاعر اس کی بھوکرتے تھے۔“ پھر فرماتا ہے ”جب تم احرام کھول ڈالو تو شکار کر سکتے ہو۔“ احرام میں شکار کی ممانعت تھی اب احرام کے بعد پھر اس کی اباحت ہوگئی جو حکم ممانعت کے بعد ہوا اس حکم سے وہی ثابت ہوتا ہے جو ممانعت سے پہلے اصل میں تھا یعنی اگر وجوب اصلی تھا تو ممانعت کے بعد کا امر بھی وجوب کے لئے ہوگا اور اسی طرح مستحب و مباح کے بارے میں۔ گو بعض نے کہا ہے کہ ایسا امر وجوب کے لئے ہی ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے ”صرف مباح ہونے کے لئے ہی ہوتا ہے لیکن دونوں جماعتوں نے خلاف قرآن کی آیتیں موجود ہیں۔ پس صحیح مذہب جس سے تمام دلیلیں مل جائیں، وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا اور بعض علماء اصول نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جس قوم نے تمہیں حدیبیہ والے سال مسجد حرام سے روکا تھا تو تم ان سے دشمنی باندھ کر قصاص پر آمادہ ہو کر اللہ کے حکم سے آگے بڑھ کر ظلم و زیادتی پر نہ اتر آؤ بلکہ تمہیں کسی وقت بھی عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ اسی طرح کی وہ آیت بھی ہے جس میں فرمایا ہے ”تمہیں کسی قسم کی عداوت خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرؤ عدل ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔“ بعض سلف کا قول ہے کہ کوئی تجھ سے تیرے بارے میں اللہ کی نافرمانی کرے لیکن تجھے چاہئے کہ تو اس کے بارے میں اللہ کی فرمانبرداری ہی کرے۔ عدل ہی کی وجہ سے آسان و زمین قائم ہے۔“ حضورؐ کو اور آپ کے اصحابؓ کو جبکہ مشرکین نے بیت اللہ کی زیارت سے روکا اور حدیبیہ سے آگے بڑھنے ہی نہ دیا اس رخِ غم میں صحابہؓ و اہل بیتؓ آ رہے تھے۔ جو شرعی شرک مکہ جاتے ہوئے انہیں طعنوں کا ارادہ ہوا کہ جیسے ان کے گروہوں نے ہمیں روکا، ہم بھی انہیں ان تک نہ جانے دیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ شنان کے معنی بغض کے ہیں بعض عرب اسے شنان بھی کہتے ہیں

لیکن کسی قادی کی یہ قرات مروی نہیں ہاں عربی شعروں میں شستن بھی آیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو نیکی کے کاموں پر ایک دوسرے کی تائید کرنے کو فرماتا ہے برکتیں ہیں نیکیوں کے کرنے کو اور تقویٰ کہتے ہیں برائیوں کے چھوڑنے کو۔ اور انہیں منع فرماتا ہے گناہوں اور حرام کاموں پر کسی کی مدد کرنے کو۔ ابن جریر فرماتے ہیں جس کام کے کرنے کا اللہ کا حکم ہو اور انسان اسے نہ کرے یہ اثم ہے اور دین میں جو حدیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں جو فرائض اپنی جان یا دوسروں کے بارے میں جناب باری نے مقرر فرمائے ہیں ان سے آگے نکل جانا عُدْوَان ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے ”اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم ہو“ تو حضور سے سوال ہوا کہ ”یا رسول اللہ مظلوم ہونے کی صورت میں مدد کرنا ٹھیک ہے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کیسے مدد کریں؟“ فرمایا ”اسے ظلم نہ کرنے دو ظلم سے روک لو یہی اس وقت اس کی مدد ہے۔“ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے ”جو مسلمان لوگوں سے ملے جلے اور دین کے حوالے سے ان کی ایذاؤں پر صبر کرے وہ ان مسلمانوں سے بڑے اجر والا ہے جو نہ لوگوں سے ملے جلے نہ ان کی ایذاؤں پر صبر کرے۔“

مسند بزار میں ہے اَلَّذَاۗءِلُ عَلٰی الْخَبِيْرِ كَغَفَاۗءِہِ یعنی ”جو شخص کسی بھلی بات کی دوسرے کو ہدایت کرے وہ اس بھلائی کے کرنے والے جیسا ہی ہے“ امام ابوبکر بزار سے بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ ”یہ حدیث صرف اسی ایک سند سے مروی ہے۔“ لیکن میں کہتا ہوں اس کی شاہد یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو بلائے اسے ان تمام کے برابر ثواب ملے گا جو قیامت تک آئیں گے اور اس کی تابعداری کریں گے لیکن ان کے ثواب میں سے گھٹا کر نہیں اور جو شخص کسی برائی کی طرف بلائے تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی کو کریں گے ان سب کو جو گناہ ہوگا وہ سارا اس اکیلے کو ہوگا۔ لیکن ان کے گناہ گھٹا کر نہیں۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”جو شخص کسی ظالم کے ساتھ جائے تاکہ اس کی اعانت و امداد کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے وہ یقیناً دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔“

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخَنِيزِ وَمَا اَهْلَ
لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا
اَكَلَ السَّبْعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبَحَ عَلٰی النُّصُبِ وَاَنْ
تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فَنَسَقُ الْيَوْمَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ اَكْمَلْتُ
لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ
لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنْ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرِ
مُتَجَانِفٍ لِآثِمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

تم پر حرام کیا گیا اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کیا گیا ہو اور جو گھٹنے سے مرہا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچے سے گر کر مر ہو اور جو کسی لکڑی سے مر ہو اور جسے دندلوں نے پھاڑ رکھا ہو لیکن اگر اسے تم ذبح کرو تو وہ حرام نہیں اور جو پریش گاہوں پر چلایا گیا ہو تم پر حرام کیا جاتا

ہے۔ سترہ کے تہوں کے ذریعہ تقسیم کرنا یہ سب بدترین گناہ ہیں۔ آج کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے۔ خبردار تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہا کرنا آج میں نے تمہارے لئے دین کا کل رکھ دیا اور تمہیں اپنا انعام بھر پور دے دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین کو ہونے پر میں رضا مند ہو گیا۔ پس جو شخص شدت کی بجوک میں سے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے ○

حلال و حرام کی وضاحتیں: ☆ ☆ (آیت ۳۰) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کا بیان فرما رہا ہے ”جن کا کھانا اس نے حرام کیا ہے یہ خبر ان چیزوں کے نہ کھانے کے حکم میں شامل ہے“ مینتہ وہ ہے جواز خود اپنے آپ مر جائے نہ تو اسے ذبح کیا جائے نہ شکار کیا جائے۔ اس کا کھانا اس لئے حرام کیا گیا کہ اس کا وہ خون جو مضر ہے اسی میں رہ جاتا ہے۔ ذبح کرنے سے تو بہرہ جاتا ہے اور یہ خون دین اور بدن کے لیے مضر ہے ہاں یہ یاد رہے کہ ہر مردار حرام ہے مگر پھلی نہیں۔ کیونکہ موطا مالک، مسند شافعی، مسند احمد، ابوداؤد و ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سمندر کے پانی کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ اور اسی طرح مٹی بھی گو خود ہی مر گئی ہو حلال ہے۔ اس کی دلیل کی حدیث آ رہی ہے۔

دم سے مراد دم مسفوح یعنی وہ خون ہے جو بوقت ذبح بہتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ آیا تکی کھا سکتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں ہاں بالکل گولوں نے کہا وہ تو خون ہے آپ نے فرمایا ہاں صرف وہ خون حرام ہے جو بوقت ذبح بہا ہو۔ حضرت عائشہؓ بھی یہی فرماتی ہیں کہ صرف بہا ہوا خون حرام ہے۔ امام شافعیؒ کی حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لئے دو قسم کے مردے اور دو خون حلال کئے گئے ہیں، پھلی، مٹی، کھلی اور تکی۔ یہ حدیث مسند احمد، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی میں بھی بروایت عبدالرحمن بن زید بن اسلم مروی ہے اور یہ ضعیف ہیں حافظ بیہقی فرماتے ہیں ”عبدالرحمان کے ساتھ ہی اسے اسماعیل بن ادریس اور عبداللہ بھی روایت کرتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں یہ دونوں بھی ضعیف ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ضعف میں کمی بیشی ہے۔“ سلیمان بن بلالؒ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہ ہیں بھی ثقہ لیکن اس روایت کو بعضوں نے ابن عمرؓ پر موقوف رکھا ہے۔

حافظ ابو زرعہ رازیؒ فرماتے ہیں زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت سدی، ابو یحییٰ بن اسلمؒ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کی طرف بھیجا کہ میں انہیں اللہ کی طرف بلاؤں اور احکام اسلام ان کے سامنے پیش کروں۔ میں وہاں پہنچ کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا اتفاقاً ایک روز وہ ایک پیالہ خون کا بھر کر میرے سامنے آ بیٹھے اور حلقہ باندھ کر کھانے کے ارادے سے بیٹھے اور مجھ سے کہنے لگے آؤ سدی تم بھی کھاؤ میں نے کہا۔ تم غضب کر رہے ہو۔ میں تو ان کے پاس سے آ رہا ہوں جو اس کا کھانا ہم سب پر حرام کرتے ہیں تب تو وہ سب کے سب میری طرف متوجہ ہو گئے اور کہا پوری بات کہو تو میں نے یہی آیت شَرَحْتُ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةَ وَالْذَّمَّ اَلْخِ پڑھ کر سنائی یہ روایت ابن مردودہ میں بھی ہے۔ اس میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میں وہاں بہت دنوں تک رہا اور انہیں پیغام اسلام پہنچاتا رہا لیکن وہ ایمان نہ لائے ایک دن جبکہ میں سخت پیسا ہوا اور پانی بالکل نہ ملا تو میں نے ان سے پانی مانگا اور کہا کہ پیاس کے مارے میرا برا حال ہے تمھوڑا سا پانی پلا دو لیکن کسی نے مجھے پانی نہ دیا بلکہ کہا ہم تو تجھے یونہی پیسا ہی تڑپا تڑپا کر مار ڈالیں گے میں غناک ہو کر دھوپ میں بیٹے ہوئے انگوروں جیسے سنگریزوں پر اپنا کھردرا کھل منہ پڑاؤں اسی سخت گرمی میں میدان میں پڑا رہا اتفاقاً میری آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بہترین جام لے ہوئے اور اس میں بہترین خوش ذائقہ مزیدار پینے کی چیز لے ہوئے میرے پاس آیا اور جام میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے خوب پیٹ بھر کر اس میں سے پیا۔ وہیں آنکھ کھل گئی تو اللہ کی قسم مجھے مطلق پیاس نہ تھی بلکہ اس کے بعد سے لے کر آج

تک مجھے بھی پیاس کی تکلیف ہی نہیں ہوئی، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پیاس ہی نہیں لگی۔ یہ لوگ میرے جاننے کے بعد آپس میں کہنے لگے کہ آخر تو یہ تمہاری قوم کا سردار ہے، تمہارا مہمان بن کر آیا ہے اتنی بے رحمی بھی ٹھیک نہیں کہ ایک گھونٹ پانی بھی ہم اسے نہ دیں۔ چنانچہ اب یہ لوگ میرے پاس کچھ لے کر آئے۔ میں نے کہا، اب تو مجھے کوئی حاجت نہیں مجھے میرے رب نے کھلا پلا دیا، یہ کہہ کر میں نے انہیں اپنا بھرا ہوا پیٹ دکھا دیا، اس کرامت کو دیکھ کر وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

اُٹھی نے اپنے قصیدے میں کیا ہی خوب کہا ہے کہ مردار کے قریب بھی نہ ہو اور کسی جانور کی رگ کاٹ کر خون نکال کر نہ پی اور پرستش گاہوں پر چڑھا ہوا نہ کھا اور اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کر، صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کر، 'لَحْمُ الْخِنْزِيرِ حَرَامٌ' ہے خواہ وہ جنگلی ہو یا پالتو ہو لفظ لَحْم شامل ہے اس کے تمام اجزاء کو جس میں چربی بھی داخل ہے۔ پس ظاہر یہی کی طرح تکلفات کرنے کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ دوسری بات میں سے فائدہ رَجَسْ لے کر ضحیر کا مریع خنزیر کو بٹلاتے ہیں تاکہ اس کے تمام اجزاء حرام مت آجائیں۔ وہ حقیقت یہ لغت سے بعید ہے۔ مضاف الیہ کی طرف ایسے موقعوں پر ضحیر پھرتی ہی نہیں، صرف مضاف ہی ضحیر کا مریع ہوتا ہے۔ صاف ظاہرات یہی ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو۔ لغت عرب کا مفہوم اور عام عرف یہی ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے "شطرین کھیلنے والا اپنے ہاتھوں کو سور کے گوشت و خون میں رنگنے والا ہے۔ خیال کیجئے کہ صرف چھوٹا بھی شرعاً کس قدر نفرت کے قابل ہے، پھر کھانے کے بے حد برا ہونے میں کیا شک رہا؟" اور اس میں دلالت ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو خواہ چربی ہو خواہ اور۔ صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت کی ممانعت کر دی ہے، تو پوچھا گیا کہ "یا رسول اللہ مردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟" وہ کہتے ہیں، "چڑھائی جاتی ہے، کھالوں پر لگا جاتی ہے اور چراغ جلانے کے کام بھی آتی ہے۔ آپ نے فرمایا، "نہیں! نہیں! وہ حرام ہے۔" صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابوسفیان نے ہرقل سے کہا، "وہ (نبی) ہمیں مردار سے اور خون سے روکتا ہے۔" وہ جانور بھی حرام ہے جس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اسے فرض کر دیا کہ وہ اسی کا نام لے کر جانور کو ذبح کرے، پس اگر کوئی اس سے ہٹ جائے اور اس کے نام پاک کے بدلے کسی بت وغیرہ کا نام لے، خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو تو یقیناً وہ جانور بالاجماع حرام ہو جائے گا، ہاں جس جانور کے ذبیحہ کے وقت بسم اللہ کہنا رہ جائے، خواہ جان پوچھ کر خواہ بھونے چو کے سے، وہ حرام ہے یا حلال؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان سورہ انعام میں آئے گا۔ حضرت ابوالطفیلؓ فرماتے ہیں، "حضرت آدمؑ کے وقت سے لے کر آج تک یہ چاروں چیزیں حرام رہیں، کسی وقت ان میں سے کوئی بھی حلال نہیں ہوئی (۱) مردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت (۴) اور اللہ کے سوا دوسرے کے نام کی چیز۔ البتہ بنو اسرائیل کے گناہگاروں کے گناہوں کی وجہ سے بعض غیر حرام چیزیں بھی ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کے ذریعہ دوبارہ حلال کر دی گئیں لیکن بنو اسرائیل نے آپ کو سچا نہ جانا اور آپ کی مخالفت کی" (ابن ابی حاتم) یہ اثر غریب ہے۔

حضرت علیؓ جب کوفے کے حاکم تھے اس وقت ابن نائل نامی قبیلہ بنو ربیع کا ایک شخص جو شرعاً فحش و فساد کے داناغاب کے مقابل ہوا اور یہ ٹھہری کر دونوں آمنے سامنے ایک ایک سوانٹوں کی کوچیں کاٹیں گے، چنانچہ کوفے کی پشت پر پانی کی جگہ یہ آئے اور جب وہاں ان کے اونٹ آئے تو یہ اپنی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے اور اونٹوں کی کوچیں کاٹنی شروع کیں اور دکھائے ستاؤ اور فخر یہ ریا کاری کے لئے دونوں اس میں مشغول ہو گئے۔ کوئیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے گدھوں اور خجروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے لئے آئے۔ اتنے میں جناب علیؓ رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کے سفید خنجر پر سوار ہو کر یہ منادی کرتے ہوئے وہاں پہنچے کہ لوگو یہ گوشت نہ کھانا۔ یہ جانور ما اہل بھا

غیر اللہ میں شامل ہیں۔ (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی خریب ہے۔ ہاں اس کی صحت کی شاہد وہ حدیث ہے جو ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعراب کی طرح مقابلہ میں کوچوں کاٹنے سے ممانعت فرمادی، پھر ابوداؤد نے فرمایا کہ محمد بن جعفر نے اسے ابن عباسؓ پر وقف کیا ہے۔ ابو داؤد کی اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں شخصوں کا کھانا کھانا منع فرمادیا جو آپس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور یا کاری کرنا چاہتے ہوں۔ مَنَّخِنَقَةٌ جس کا گلا گھٹ جائے خواہ کسی نے عدا گلا گھونٹ کر گلا مر ڈکرا سے مار ڈالا ہو خواہ از خود اس کا گلا گھٹ گیا ہو مثلاً اپنے کھونٹے میں بندھا ہوا ہے اور بھاگنے لگا پھندا گلے میں آ پڑا اور کچھ کچھاؤ کرتا ہوا مر گیا۔ پس یہ حرام ہے۔ مَوْفُوذَةٌ وہ ہے جس جانور کو کسی نے ضرب لگائی، لکڑی وغیرہ ایسی چیز سے جو دھاری دار نہیں اور اسی سے وہ مر گیا، تو وہ بھی حرام ہے۔ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ جانور کو لٹھ سے مار ڈالتے، پھر کھاتے قرآن نے ایسے جانور کو حرام بتلایا۔

صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں معرض سے شکار کھیلتا ہوں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تو اسے پھینکے اور وہ جانور کو زخم لگائے تو کھا سکتا ہے اور اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگے تو وہ جانور لٹھ مارے ہوئے کے حکم میں ہے اسے نہ کھا۔ پس آپ نے اس میں جسے دھار اور نوک سے شکار کیا ہو اور اس میں جسے چوڑائی کی جانب سے لگا ہو فرق کیا۔ اول کو حلال اور دوسرے کو حرام۔ فقہاء کے نزدیک بھی یہ مسئلہ متفقہ ہے۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ جب کسی زخم کرنے والی چیز نے شکار کو صدمہ تو پہنچایا لیکن وہ مرا ہے اس کے بوجھ اور چوڑائی کی طرف سے تو آیا یہ جانور حلال ہے یا حرام۔ امام شافعیؒ کے اس میں دونوں قول ہیں ایک تو حرام ہونا اور پر والی حدیث کو سامنے رکھ کر دوسرے حلال کرنا کہتے کے شکار کی حالت کو مد نظر رکھ کر۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل ملاحظہ ہو۔

(فصل) علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اور کتے نے اسے اپنی مار سے اور بوجھ سے مار ڈالا زخمی نہیں کیا تو وہ حلال ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ حلال ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ عام ہیں فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ یعنی وہ جن جانوروں کو روک لیں تم انہیں کھا سکتے ہو۔ اسی طرح حضرت عدیؒ وغیرہ کی صحیح حدیثیں بھی عام ہی ہیں۔ امام شافعیؒ کے ساتھیوں نے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے اور متاخرین نے اس کی صحت کی ہے جیسے نوٹی اور رافٹی مگر میں کہتا ہوں کہ گویوں کہا جاتا ہے لیکن امام صاحب کے کلام سے صاف طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہوا کتاب الامام اور مختصر ان دونوں میں جو کلام ہے وہ دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ پس دونوں فریقوں نے اس کی توجیہ کر کے دونوں جانب علی الاطلاق ایک قول کہہ دیا۔ ہم تو بعد مشکل صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس بحث میں حلال ہونے کے قول کی حکایت کچھ قدر سے قلیل زخم کا ہونا بھی ہے۔ گوان دونوں میں سے کسی کی تصریح نہیں اور نہ کسی کی مضبوط رائے۔

ابن الصباغ نے امام ابو حنیفہؒ سے حلال ہونے کا قول نقل کیا ہے اور دوسرا کوئی قول ان سے نقل نہیں کیا۔ اور امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس قول کو حضرت سلمان فارسیؒ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے لیکن یہ بہت غریب ہے اور دراصل ان بزرگوں سے صراحت کے ساتھ یہ اقوال پائے نہیں جاتے۔ یہ صرف اپنا تعارف ہے۔ واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال نہیں حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے مرنے کی بھی اسی کو پسند کیا ہے اور ابن مبراغ کے قول سے بھی اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے واللہ اعلم۔ اور اسی کو روایت کیا ہے ابو یوسفؒ اور محمد بن ابو حنیفہؒ نے اور یہی مشہور ہے امام احمد بن حنبلؒ سے اور یہی قول ٹھیک ہونے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس لئے کہ اصولی قواعد اور احکام شرعی کے مطابق یہی جاری ہے۔ ابن الصباغ نے

حضرت رافع بن خدیج کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم کل دشمنوں سے بھرنے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں تو کیا ہم تیز بانس سے ذبح کر لیا کریں؟ آپ نے فرمایا جو چیز خون بہائے اور اس کے اوپر اللہ کا نام ذکر کیا جائے اسے کھالیا کرو (بخاری و مسلم) یہ حدیث کو ایک خاص موقعہ کے لئے ہے لیکن حکم عام الفاظ کا ہوگا جیسے کہ جمہور علماء اصول و فروع کا فرمان ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضورؐ سے دریافت کیا گیا کہ تیج جو شہد کی نبیذ سے ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہر وہ پینے کی چیز جو نشہ لائے حرام ہے۔

پس یہاں سوال ہے شہد کی نبیذ سے لیکن جواب کے الفاظ عام ہیں اور حائل بھی ان سے عام سمجھا گیا اسی طرح اوپر والی حدیث ہے کہ گو سوال ایک خاص صورت سے ذبح کرنے کا ہے لیکن جواب کے الفاظ ای اور اس کے سوا کی عام صورتوں کو شامل ہیں اللہ کے رسولؐ کا یہ بھی ایک خاص مجزہ ہے کہ الفاظ تھوڑے اور معانی بہت اسے ذہن میں رکھنے کے بعد اب غور کیجئے کہ کتے کے صدمے سے جو شکار مر جائے یا اس کے بوجھ یا تھپڑ کی وجہ سے جس شکار کا دم نکل جائے ظاہر ہے کہ اس کا خون کسی چیز سے نہیں بہا، پس اس حدیث کے مفہوم کی بنا پر وہ حلال نہیں ہو سکتا، ہاں اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کو کتے کے شکار کے مسئلہ سے دور کا تعلق بھی نہیں اس لئے کہ سائل نے ذبح کرنے کے ایک آلے کی نسبت سوال کیا تھا۔ ان کا سوال اس چیز کی نسبت نہ تھا جس سے ذبح کیا جائے۔ اسی لئے حضورؐ نے اس سے دانت اور ناخن کو مستثنیٰ کر لیا اور فرمایا سوائے دانت اور ناخن کے اور میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے سوا کیوں؟ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حشیش کی جھری ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ کی دلالت جنس مستثنیٰ منہ پر ہوا کرتی ہے ورنہ متصل نہیں مانا جاسکتا۔ پس ثابت ہوا کہ سوال آلہ ذبح کا ہی تھا تو اب کوئی دلالت تمہارا قول پر باقی نہیں رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ کے جواب کے جملے کو دیکھو۔ آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر نام اللہ بھی لیا گیا ہو اسے کھالو۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کے ساتھ ذبح کر لو۔ پس اس جملہ سے دو حکم ایک ساتھ معلوم ہوتے ہیں۔ ذبح کرنے کے آلہ کا حکم بھی اور خود ذبیحہ کا حکم بھی اور یہ کہ اس جانور کا خون کسی آلہ سے بہانا ضروری ہے جو دانت اور ناخن کے سوا ہو۔ ایک مسلک تو یہ ہے۔ دوسرا مسلک جو حرثی کا ہے وہ یہ کہ تیر کے بارے میں صاف لفظ آچکے کہ اگر وہ اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہے اور جانور مر گیا ہے تو نہ کھاؤ اور اگر اس نے اپنی دھار اورانی سے زخم کیا ہے پھر مر اے تو کھالو۔ اور کتے کے بارے میں علی الاطلاق احکام ہیں۔ پس چونکہ بوجہ یعنی شکار دونوں جگہ ایک ہی ہے تو مطلق کا حکم بھی مقید پر محمول ہوگا گو سب جدا گانہ ہوں۔ جیسے کہ ظہار کے وقت آزادی گردن جو مطلق ہے محمول کی جاتی ہے۔ قتل کی آزادی گردن پر جو مقید ہے ایمان کے ساتھ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرورت شکار کے اس مسئلہ میں ہے۔ یہ دلیل ان لوگوں پر یقیناً بہت بڑی حجت ہے جو اس قاعدہ کی اصل کو مانتے ہیں اور چونکہ ان لوگوں میں اس قاعدے کے مسلم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تو ضروری ہے کہ یا تو وہ اسے تسلیم کریں ورنہ کوئی پختہ جواب دیں۔ علاوہ ازیں یہ فریق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس شکار کو کتے نے بوجھ اپنے قتل کے مار ڈالا ہے اور یہ ثابت ہے کہ تیر جب اپنی چوڑائی سے لگ کر شکار کو مار ڈالے تو وہ حرام ہو جاتا ہے پس اس پر قیاس کر کے کتے کا یہ شکار بھی حرام ہو گیا کیونکہ دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں شکار کے آلات ہیں اور دونوں نے اپنے بوجھ اور زور سے شکار کی جان لی ہے اور آیت کا عموم اس کے معارض نہیں ہو سکتا کیونکہ عموم پر قیاس مقدم ہے۔ جیسا کہ چاروں اماموں اور جمہور کا مذہب ہے۔ یہ مسلک بھی بہت اچھا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ یعنی شکاری کتے جس جانور کو روک رکھیں اس کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے یہ عام ہے شامل ہے اسے بھی جسے زخمی کیا ہو اور اس کے سوا کو بھی لیکن جس صورت میں اس وقت بحث ہے وہ یا تو

کمر لگا ہوا ہے یا اس کے حکم میں یا لگا گھونٹا ہوا ہے یا اس کے حکم میں بہر صورت اس آیت کی تقدیم ان وجوہ پر ضرور ہوگی۔ اولاً تو یہ کہ شارع نے اس آیت کا حکم شکاری حالت میں معتبر مانا ہے۔ کیونکہ حضرت عدی بن حاتمؓ سے اللہ کے رسولؐ نے یہی فرمایا، اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگا ہے تو وہ لٹھ مارا ہے اسے نہ کھاؤ۔ جہاں تک ہمارا علم ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ لٹھ سے اور مارے مر اہوا تو شکاری حالت میں حتر ہو اور سینک اور کمر لگا ہوا معتبر نہ ہو۔ پس جس صورت میں اس وقت بحث ہو رہی ہے اس جانور کو حلال کہنا اجماع کا توڑنا ہوگا جسے کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا بلکہ اکثر علماء اسے ممنوع بتلاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ آیت فَخَلُّوْا مِمَّا امْسَكْنَ اپنے عموم پر باقی نہیں اور اس پر اجماع ہے بلکہ آیت سے مراد صرف حلال حیوان ہیں۔ تو اس کے عام الفاظ سے وہ حیوان جن کا کھانا حرام ہے بالاتفاق نکل گئے اور یہ قاعدہ ہے کہ عموم محفوظ مقدم ہوتا ہے عموم غیر محفوظ پر۔ ایک تقریر ایسی مسئلہ میں اور بھی گوش گزار کر لیجئے کہ اس طرح کا شکار میتہ کے حکم میں ہے پس جس وجہ سے مردار حرام ہے وہی وجہ یہاں بھی ہے تو یہ بھی اسی قیاس سے حلال نہیں۔ ایک اور وجہ بھی سنئے کہ حرمت کی آیت حَرَمْتُ الخ بالکل حکم ہے اس میں کسی طرح نسخ کا دخل نہیں نہ کوئی تخصیص ہوئی ہے ٹھیک اسی طرح آیت تحلیل بھی حکم ہی ہونی چاہئے۔ یعنی فرمان باری تعالیٰ يَسْأَلُوْنَكَ مَاذَا اَحَلَّ لَهُمْ فَاَنْتَا اَحَلَّ لَهُمْ الطَّيِّبَاتِ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے حلال کیا ہے۔ تو کہہ دے کہ تمام طیب چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ جب دونوں آیتیں محکم اور غیر منسوخ ہیں تو یقیناً ان میں تعارض نہ ہونا چاہئے۔ پس حدیث کو اس کے بیان کے لئے بھٹکانا چاہئے اور اسی کی شہادت تیر کا واقعہ دیتا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ اس آیت میں یہ صورت واضح طور پر داخل ہے یعنی جبکہ وہ انی اور دھارتیری کی طرف سے زخم کرے تو جانور حلال ہوگا کیونکہ وہ طیبات میں آگیا۔ ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بیان آگیا کہ آیت تحریم میں کون سی صورت داخل ہے۔ یعنی وہ صورت جس میں جانور کی موت تیر کی چوڑائی کی چوٹ سے ہوئی ہے وہ حرام ہو گیا جسے کھایا نہ جائے گا۔ اس لئے کہ وہ وقیذ ہے اور وقیذ آیت تحریم کا ایک فرد ہے ٹھیک اسی طرح اگر شکاری کتے نے جانور کو اپنے دباؤ زور بوجہ اور سخت پکڑ کی وجہ سے مار ڈالا ہے تو وہ نطیح ہے یا قطع یعنی تیر اور سینک لگے ہوئے کے حکم میں ہے اور حلال نہیں ہاں اگر اسے مجروح کیا ہے تو وہ آیت تحلیل کے حکم میں ہے اور یقیناً حلال ہے۔ اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو کتے کے شکار میں بھی تفصیل بیان کر دی جاتی اور فرمایا جاتا کہ اگر وہ جانور کو چیرے پھاڑے زخمی کرے تو حلال اور اگر زخم نہ لگائے تو حرام۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کتے کا بغیر زخمی کئے قتل کرنا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اس کی عادت یہ نہیں بلکہ عادت تو یہ ہے کہ اپنے بچوں یا کچلوں سے ہی شکار کو مارے یا دونوں سے بہت کم کبھی کبھی شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دباؤ اور بوجھ سے شکار کو مار ڈالے اس لئے اس کی ضرورت ہی تھی کہ اس کا حکم بیان کیا جائے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب آیت تحریم میں میتہ، موقوذہ، متردبہ، نطیحہ کی حرمت موجود ہے تو اس کے جاننے والے کے سامنے اس قسم کے شکار کا حکم بالکل ظاہر ہے تیر اور مراض میں اس حکم کو اس لئے الگ بیان کر دیا کہ وہ عموماً خطا کرتا ہے بالخصوص اس شخص کے ہاتھ سے جو قادیان تیر انداز نہ ہو یا نشانے میں خطا کرتا ہو اس لئے اس کے دونوں حکم تفصیل وار بیان فرمادیئے۔ واللہ اعلم۔ دیکھئے چونکہ کتے کے شکار میں یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے وہ اپنے کتے ہوئے شکار میں سے کچھ کھالے اس لئے یہ حکم صراحت کے ساتھ الگ بیان فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اگر وہ خود کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ۔ ممکن ہے کہ اس نے خود اپنے لئے ہی شکار کو روکا ہو۔ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور یہ صورت اکثر حضرات کے نزدیک آیت تحلیل کے عموم سے مخصوص ہے اور ان کا قول ہے کہ جس شکار کو کتا کھالے اس کا کھانا حلال نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ سے یہی حکایت کیا جاتا ہے۔ حضرت حسنؓ، شعبیؓ اور غنیؓ کا قول بھی یہی ہے اور اسی کی طرف ابو

خفیہ“ اور ان کے دونوں اصحاب اور احمد بن حنبل اور مشہور روایت میں شافعی بھی گئے ہیں۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں علی سعد سلمان ابو ہریرہ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ گوشت نے شکار میں سے کچھ کھالیا ہوتا ہم اسے کھالینا جائز ہے بلکہ حضرت سعید حضرت سلمان حضرت ابو ہریرہ وغیرہ تو فرماتے ہیں گوشت آدھ کھا گیا ہوتا ہم اس شکار کا کھالینا جائز ہے۔ امام مالک اور شافعی بھی اپنے قدیم قول میں اسی طرف گئے ہیں اور قول جدید میں دونوں قولوں کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے کہ امام ابو منصور بن صباح وغیرہ نے کہا ہے۔ ابوداؤد میں قوی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور اللہ کا نام تو نے لے لیا ہو تو کھالے گو اس نے بھی اس میں سے کھالیا ہو اور کھالے اس چیز کو جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لٹا لائے“ نسانی میں بھی یہ روایت ہے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضور نے فرمایا جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اس نے شکار کو پکڑا اور اس کا کچھ گوشت کھالیا تو اسے اختیار ہے کہ باقی جانور یہ اپنے کھانے کا کام میں لے۔ اس میں اتنی علت ہے کہ یہ موقوفاً حضرت سلمان کے قول سے مروی ہے جمہور نے عدی والی حدیث کو اس پر مقدم کیا ہے اور ابو جملہ وغیرہ کی حدیث کو ضعیف بتلایا ہے۔ بعض علماء کرام نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کتے نے شکار پکڑا اور دیر تک اپنے مالک کا انتظار کیا جب وہ نہ آیا تو بھوک وغیرہ کے باعث اس نے کچھ کھالیا۔ اس صورت میں یہ حکم ہے کہ باقی کا گوشت مالک کھالے کیونکہ ایسی حالت میں یہ ذر باقی نہیں رہتا کہ شاید کتا ابھی شکار کا سدھا ہوا نہیں ممکن ہے اس نے اپنے لئے ہی شکار کھا ہوا بخلاف اس کے کہ کتے نے پکڑے ہی کھانا شروع کر دیا تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنے لئے ہی شکار دبوچا ہے۔ واللہ اعلم۔ اب رہے شکاری پرند تو امام شافعی نے صاف کہا ہے کہ یہ کتے کے حکم میں ہیں۔ تو اگر یہ شکار میں سے کچھ کھالیں تو شکار کا کھانا جمہور کے نزدیک حرام ہے اور دیگر کے نزدیک حلال ہے ہاں حزی کا مختار یہ ہے کہ گوشت شکاری پرندوں نے شکار کا گوشت کھالیا ہوتا ہم وہ حرام نہیں۔ یہی مذہب ابو حنیفہ اور احمد کا ہے۔ اس لئے کہ پرندوں کو کتوں کی طرح مار پیٹ کر سدھا بھی نہیں سکتے اور وہ تعلیم حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک اسے کھائے نہیں تو یہاں یہ بات معاف ہے اور اس لئے بھی کہ نص کتے کے بارے میں وارد ہوئی ہے پرندوں کے بارے میں نہیں۔ شیخ ابوعلی افصاح میں فرماتے ہیں جب ہم نے یہ طے کر لیا کہ اس شکار کا کھانا حرام ہے جس میں سے شکاری کتے نے کھالیا ہو تو جس شکار میں سے شکاری پرند کھالے اس میں دو وجوہات ہیں۔ لیکن قاضی ابوالطیب نے اس فرع کا اور اس ترتیب کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ امام شافعی نے ان دونوں کو صاف لفظوں میں برابر رکھا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مَنْزِلَةُ وَهْ جُوہاڑی یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر گیا ہو وہ جانور بھی حرام ہے۔ ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں یہ وہ ہے جو کنویں میں گر پڑے نَضِیْحَہ وہ ہے جسے دوسرا جانور سینگ وغیرہ سے ٹکر لگائے اور وہ اس صدمہ سے مر جائے، گو اس سے زخم بھی ہوا ہو اور گو اس سے خون بھی نکلا ہو بلکہ گٹھیک ذبح کرنے کی جگہ ہی لگا ہوا اور خون بھی نکلا یہ لفظ معنی میں مفعول یعنی منطوحہ کے ہے یہ وزن نموا کلام عرب میں بغیر تے کے آتا ہے جیسے عَيْنٌ كَجَبَلٍ اور كَفَّ خَضِيبٌ ان مواقع میں كَجَبَلَةٍ اور خَضِيبَةٌ نہیں کہتے اس جگہ تے اس لئے لایا گیا ہے کہ یہاں اس لفظ کا استعمال قائم مقام اسم کے ہے جیسے عرب کا یہ کلام طَرِيفَةٌ طَوِيلَةٌ بعض غوی کہتے ہیں تاہ تا نیف یہاں اس لئے لایا گیا ہے کہ پہلی مرتبہ تا نیف پر دلالت ہو جائے بخلاف کھیل اور خضیب کے کہ وہاں تا نیف کلام کے ابتدائی لفظ سے معلوم ہوتی ہے۔ مَا أَكَلَ السَّبْعُ سے مراد وہ جانور ہے جس پر شیر بھیڑ یا چیتا یا کتا وغیرہ درندہ حملہ کرے اور اس کا کوئی حصہ کھا جائے اور اس سبب سے وہ مر جائے تو اس جانور کو کھانا بھی حرام ہے اگرچہ اس سے خون بہا ہو بلکہ اگرچہ ذبح کرنے کی جگہ سے ہی خون نکلا ہوتا ہم وہ جانور بالا جماع حرام ہے۔ اہل جاہلیت ایسے جانور کا بقیہ کھالیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرمایا۔ پھر فرماتا ہے مگر وہ جسے تم ذبح کر

لوعنی کھا گھونٹا ہوا لھو مارا ہوا اوپر سے گر پڑا ہو، سینگ اور نگر لگا ہو، دندوں کا کھایا ہوا اگر اس حالت میں تمہیں مل جائے کہ اس میں جان باقی ہو اور تم اس پر باقاعدہ نام اللہ لے کر چھری پھیر لو تو پھر یہ جانو تو تمہارے لئے حلال ہو جائیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؓ، حسنؓ اور سدیؓ بھی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اگر تم ان کو اس حالت میں پا لو کہ چھری پھیرتے ہوئے وہ دم گر گریں یا پیر پلائیں یا آنکھوں کے ڈھیلے پھرائیں تو بیشک ذبح کر کے کھا لو۔ ابن جریرؓ میں آپ سے مروی ہے کہ جس جانور کو ضرب لگی ہو یا اوپر سے گر پڑا ہو یا نگر لگی ہو اور اس میں روح باقی ہو اور تمہیں وہ ہاتھ پیر رگڑ تامل جائے تو تم اسے ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ حضرت طاؤسؓ، حسنؓ، قتادہؓ، عبید بن عیسرؓ، ضحاکؓ اور بہت سے حضرات رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ بوقت ذبح اگر کوئی حرکت بھی اس جانور کی ایسی ظاہر ہو جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس میں حیات ہے تو وہ حلال ہے۔ جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؓ اس بکری کے بارے میں جسے پھیر یا پھاڑ ڈالے اور اس کی آنتیں نکل آئیں فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے۔ اس میں سے کس چیز کا ذبیحہ ہوگا؟ ایک مرتبہ آپ سے سوال ہوا کہ درندہ اگر حملہ کر کے بکری کی پیٹھ توڑ دے تو کیا اس بکری کو جان نکلنے سے پہلے ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر بالکل آخر تک پہنچ گیا ہے تو میری رائے میں نہ کھانی چاہئے اور اگر اطراف میں ہی ہے تو کوئی حرج نہیں سائل نے کہا درندہ نے اس پر حملہ کیا اور کوڑ کر اسے پکڑ لیا جس سے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے تو آپ نے فرمایا مجھے اس کا کھانا پسند نہیں کیونکہ اتنی زبردست چوٹ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتی۔ آپ سے پھر پوچھا گیا کہ اچھا اگر پیٹ پھاڑ ڈالا اور آنتیں نہیں نکلیں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا میں تو یہی رائے رکھتا ہوں کہ نہ کھائی جائے۔ یہ ہے امام مالکؓ کا مذہب لیکن چونکہ آیت عام ہے اس لئے امام صاحب نے جن صورتوں کو مخصوص کیا ہے ان پر کوئی خاص دلیل چاہئے واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم میں حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ ”حضور ہم کل دشن سے لڑائی میں باہم کمرانے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں۔ کیا ہم ہانس سے ذبح کر لیں؟“ آپ نے فرمایا ”جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھاؤ سو اے دانت اور ناخن کئے یہ اس لئے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حشیشوں کی چھریاں ہیں۔“ مسند احمد اور سنن میں ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ ”ذبیحہ صرف حلق اور زخروے میں ہی ہوتا ہے؟“ آپ نے فرمایا ”اگر تو نے اس کی ران میں بھی زخم لگا دیا تو کافی ہے“ یہ حدیث ہے تو سہی لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ صحیح طور پر ذبح کرنے پر قادر نہ ہوں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ پرستش گاہیں کعبہ کے ارد گرد تھیں۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں ”یہ تین سو ساٹھ بت تھے جاہلیت کے عرب ان کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے تھے اور ان میں سے جو بیت اللہ کے بالکل متصل تھا اس پر ان جانوروں کا خون چھڑکتے تھے اور گوشت کو ان بتوں پر بطور چڑھاوے چڑھاتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ کام مومنوں پر حرام کیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام کر دیا۔ اگر چنانچہ جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ بھی کہی گئی ہو کیونکہ یہ شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک نے اور اس کے رسولؐ نے حرام کیا ہے اور اسی لائق ہے۔ اور اس جملہ سے بھی مطلب یہی ہے کیونکہ اس سے پہلے ان کی حرمت بیان ہو چکی ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر چڑھائے جائیں۔

آزلام سے تقسیم کرنا حرام ہے یہ جاہلیت کے عرب میں دستور تھا انہوں نے تین تیر رکھ چھوڑے تھے ایک پر لکھا ہوا تھا افعل یعنی کر دوسرے پر لکھا ہوا تھا لا تفعل یعنی نہ کر تیسرا خالی تھا۔ بعض کہتے ہیں ایک پر لکھا تھا مجھے میرے رب کا حکم ہے دوسرے پر لکھا تھا مجھے میرے رب کی ممانعت ہے تیسرا خالی تھا۔ اس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ تھا۔ بطور قرعہ اندازی کے کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں جب انہیں تردد ہوتا تو ان تیروں کو نکالنے اگر حکم ”کر“ نکلا تو اس کام کو کرتے۔ اگر ممانعت کا تیر نکلا تو باز آ جاتے۔ اگر خالی تیر نکلا تو پھر نئے سرے سے قرعہ

اندازی کرتے۔ ازلام جمع ہے زلم کی اور بعض زلم بھی کہتے ہیں۔ استسقام کے معنی ان تیروں سے تقسیم کی طلب ہے۔ قریشیوں کا سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کے اندر کے کنوئیں پر نصب تھا جس کنوئیں میں کعبہ کے ہدیے اور مال جمع ہا کرتے تھے اس بت کے پاس سات تیر تھے جن پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ جس کام میں اختلاف پڑتا یہ قریشی یہاں آ کر ان تیروں میں سے کسی تیر کو نکالتے اور اس پر جو لکھا پاتے اسی کے مطابق عمل کرتے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے مجسمے گڑے ہوئے پائے جن کے ہاتھوں میں تیر تھے تو آپؐ نے فرمایا اللہ انہیں عارت کرے انہیں خوب معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں لی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک بن حنظل بن جہم جب نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھونڈنے کے لئے نکلا کہ انہیں پکڑ کر کفار مکہ کے سپرد کرے اور آپ اس وقت ہجرت کر کے مکہ سے مدینے کو جا رہے تھے تو اس نے اسی طرح قرعہ اندازی کی۔ اس کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ وہ تیر نکلا جو میری مرضی کے خلاف تھا۔ میں نے پھر تیروں کو ملا جلا کر تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی نکلا کہ تو انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا میں پھر نہ مانا۔ تیسری مرتبہ فال لینے کے لئے تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی تیر نکلا کہ میں ہمت کر کے ان کا کوئی لحاظ نہ کر کے انعام حاصل کرنے اور سرخرو ہونے کے لئے آپؐ کی طلب میں نکل کھڑا ہوا اس وقت تک سراقہ مسلمان نہیں ہوا تھا یہ حضورؐ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور پھر بعد میں اسے اللہ نے اسلام سے شرف فرمایا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”وہ شخص جنت کے بلند درجوں کو نہیں پاسکتا جو کھانت کرے یا کسی بدفالی کی وجہ سے سفر سے لوٹ آئے“ حضرت مجاہدؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب ان تیروں کے ذریعہ اور فارسی اور رومی پانسوں کے ذریعہ جو اکیلے کرتے تھے جو مسلمانوں پر حرام کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق ہم یوں کہیں کہ تھے تو یہ تیر استخارے کے لئے مگر ان سے جو ابھی گا ہے بگا ہے کھیل لیا کرتے۔ واللہ اعلم۔ اسی سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جوئے کو بھی حرام کیا ہے اور فرمایا ہے ”ایمان والو! شراب جو ایت اور تیر غص اور شیطانی کام ہیں تم ان سے الگ رہو تاکہ تمہیں نجات ملے شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ ان کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت و بغض ڈال دے۔“ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ تیروں سے تقسیم طلب کرنا حرام ہے۔ اس کام کا کرنا فاسق مگر اسی جہالت اور شرک ہے۔ اس کی بجائے مومنوں کو حکم ہوا کہ جب تمہیں اپنے کسی کام میں تردد ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر لو۔ اس کی عبادت کر کے اس سے بھلائی طلب کرو مہمدا۔

بخاری اور سنن میں مروی ہے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے اسی طرح ہمارے کاموں میں استخارہ کرنا بھی تعلیم فرماتے تھے۔ آپؐ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام آ پڑے تو اسے چاہئے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمَکَ وَ اَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَ اَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا لَا مَرْحَیْ لَیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْ لَیْ وَ یَسِّرْ لَیْ ثُمَّ بَارِکْ لَیْ فِیْهِ وَ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّہُ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَ اصْرِفْ عَنِّیْ وَ اقْدِرْ لَیْ الْخَیْرَ حِیْثُ کَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِہُ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ویلے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے بڑے فضل کا طالب ہوں۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے اور میں محض مجبور ہوں۔ تو تمام تر علم والا ہے اور میں مطلق بے علم ہوں۔ تو ہی ہے جو تمام غیب کو بخوبی جاننے والا ہے۔ اے میرے اللہ اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا میں آواز

وانجام کے اعتبار سے بہتر ہی بہتر ہے تو تو اسے میرے لئے مقدر کر دے اور اسے میرے لئے آسان بھی کر دے اور اس میں مجھے ہر طرح کی برکتیں عطا فرما۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا کی زندگی اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھ اس سے دور کر دے اور میرے لئے خیر و برکت جہاں کہیں ہو مقرر کر دے پھر مجھے اسی سے راضی و رضا مند کر دے۔ دعا کے یہ الفاظ مسند احمد میں ہیں۔ **هَذَا الْأَمْرُ جِهَانٌ هُوَ** اِسے اپنے کام کا نام لے مِثْلًا فَكَانَ هُوَ تَوْهَذَا النَّجَاحَ سفر میں ہو تو هَذَا السَّفَرُ یہ وہاں میں ہو تو هَذَا النَّجَارَةُ وغیرہ۔ بعض روایتوں میں **خَيْرٌ لِّيْ فِیْ دُنْيَايَ** سے **أَمْرِيْ** تک کی بجائے یہ الفاظ ہیں **خَيْرٌ لِّيْ فِیْ عَاجِلِ أَمْرِيْ وَآجِلِهِ** امام ترمذی اس حدیث کو حسن غریب بتلاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے: آج کا فر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے، یعنی ان کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں کہ وہ تمہارے دین میں کچھ خلط ملط کر سکیں یعنی اپنے دین کو تمہارے دین میں شامل کر لیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی مسلمان جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کریں ہاں وہ اس کوشش میں رہے گا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے۔“ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شرکین مکہ اس سے مایوس ہو گئے کہ مسلمانوں سے مل جل کر رہیں کیونکہ احکام اسلام ان کے دونوں جماعتوں میں بہت کچھ تفاوت ڈال دیا۔ اسی لئے حکم الہی ہو رہا ہے کہ مومن صبر کریں عبادت قدم رہیں اور سوا اللہ کے کسی سے نہ ڈریں کفار کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کریں اللہ ان کی مدد کرے گا اور انہیں اپنے مخالفین پر غلبہ دے گا اور ان کے ضرر سے ان کی محافظت کرے گا اور دنیا و آخرت میں انہیں بلند و بالا رکھے گا۔ پھر اپنی زبردست بہترین اعلیٰ اور افضل تر نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ ”میں نے تمہارا دین ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل مکمل کر دیا تمہیں اس دین کے سوا کسی دین کی احتیاج نہیں نہ اس نبی کے سوا اور کسی نبی کی طرف تمہاری حاجت ہے اللہ نے تمہارے نبی کو خاتم النبیین کیا ہے انہیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے حلال وہی ہے جسے وہ حلال کہیں حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہیں دین وہی ہے جسے یہ مقرر کریں ان کی تمام باتیں حق اور صداقت والی جن میں کسی طرح کا جھوٹ اور خلاف نہیں۔“ جیسے فرمان باری ہے **وَمَعَتْ كَلِمَةً رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا** یعنی تیرے رب کا کلمہ پورا ہوا جو خبریں دینے میں سچا ہے اور حکم منع میں عدل والا ہے۔ دین کو کامل کرنا تم پر اپنی نعمت کو بھر پور کرنا ہے۔ چونکہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر خوش ہوں اس لئے تم بھی اسی پر راضی رہو یہی دین اللہ کا پسندیدہ ہے اسی کو دے کر اس نے اپنے افضل رسول کو بھیجا ہے اور اپنی اشرف کتاب نازل فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور اپنے نبی اور مومنوں کو اس کا کامل ہونا خود اپنے کلام میں فرا چکا ہے۔ اب یہ رہتی دنیا تک کسی زیادتی کا محتاج نہیں اسے اللہ نے پورا کیا ہے جو قیامت تک ناقص نہیں ہونے والا اس سے اللہ خوش ہے اور کبھی بھی ناخوش نہیں ہونے والا۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں یہ آیت عارفہ کے دن نازل ہوئی اس کے بعد حلال حرام کا کوئی حکم نہیں اس آج سے لوٹ کر اللہ کے رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں ”اس آخری حج میں حضور کے ساتھ میں بھی تھی ہم جا رہے تھے۔ اتنے میں حضرت جبریل کی تجلی ہوئی۔ حضور اپنی اونٹنی پر جھک پڑے وحی اترنی شروع ہوئی اونٹنی وحی کے بوجھ کی طاقت نہ رکھ سکی۔ میں نے اسی وقت اپنی چادر اللہ کے رسول پر اوڑھادی۔“ ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں اس کے بعد کیا اسی دن تک رسول اللہ ﷺ حیات رہے حج اکبر والے دن جبکہ یہ آیت اترتی تو حضرت عمرؓ نے لگے۔ حضور نے سب دریافت فرمایا تو جواب دیا کہ ہم دین کی تعمیل میں کچھ زیادہ ہی تھے اب وہ کامل ہو گیا اور دستور یہ ہے کہ کمال کے بعد نقصان شروع ہو جاتا ہے آپ نے فرمایا حج ہے۔ اسی معنی کی شہادت اس ثابت شدہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور کا یہ فرمان ہے کہ اسلام غربت اور انجمن پن سے

شروع ہوا اور غریب پھر غریب انجان ہو جائے گا۔ پس غرباء کے لئے خوشخبری ہے مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت فاروق عظیمؓ سے کہا تم جو اس آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمُ الدِّینَ کو پڑھتے ہو اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منالیتے حضرت عمرؓ نے فرمایا واللہ مجھے علم ہے کہ یہ آیت کس وقت اور کس دن نازل ہوئی۔ عرفے کے دن جمعہ کی شام کو نازل ہوئی ہے، ہم سب اس وقت میدان عرفہ میں تھے اور تمام سیرت والے اس بات پر متفق ہیں کہ حجة الوداع والے سال عرفے کا دن جمعہ کو تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ کہا تھا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ آیت ہمارے ہاں دوہری عید کے دن نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی زبان اس آیت کی تلاوت سن کر بھی یہودیوں نے یہی کہا تھا جس پر آپؐ نے فرمایا ہمارے ہاں تو یہ آیت دوہری عید کے دن اترتی ہے عید کا دن بھی تھا اور جمعہ کا دن بھی۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت عرفے کے دن شام کو اترتی ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر اس پوری آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جمعہ کے دن عرفے کو یہ اترتی ہے۔ حضرت سرہ فرماتے ہیں اس وقت حضورؐ موقف میں کھڑے ہوئے تھے۔ ابن عباسؓ سے جو مروی ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پیر والے دن پیدا ہوئے پیر والے دن ہی مکہ سے نکلے اور پیر والے دن ہی مدینے میں تشریف لائے یہ اثر غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ پیر والے دن پیدا ہوئے پیر والے دن ہی بنائے گئے پیر والے دن ہجرت کے ارادے سے نکلے پیر کے روزی مدینے پہنچے اور پیر کے دن ہی فوت کئے گئے حجر اسود بھی پیر کے دن واقع ہوا اس میں سورہ مائدہ کا پیر کے دن اترنا مذکور نہیں میرا خیال یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا ہوا عیدوں کے دن یہ آیت اترتی تو دو کے لئے بھی لفظ اثنین ہے اور پیر کے دن کو بھی اثنین کہتے ہیں۔ اس لئے راوی کو شبہ سا ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ وقول اس میں اور بھی مروی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ دن لوگوں کو نامعلوم ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ آیت غدیر خم کے دن نازل ہوئی ہے جس دن کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ جس کا مولیٰ میں ہوں اس کا مولیٰ علیؓ ہے گویا یہ الحجۃ کی اشعار میں تاریخ ہوئی جبکہ آپ جنتہ الوداع سے واپس لوٹ رہے تھے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں قول صحیح نہیں۔ بالکل صحیح اور بیشک و شبہ قول یہی ہے کہ یہ آیت عرفے کے دن جمعہ کو اترتی ہے۔ امیر المومنین عمر بن خطابؓ اور امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ اور امیر المومنین حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اور تہمان القرآنؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے اور اسی کو حضرت شعبیؒ حضرت قتادہؒ حضرت شبیر رحمہم اللہ وغیرہ ائمہ اور علماء نے کہا ہے۔ یہی مختار قول ابن جریرؒ اور طبریؒ کا ہے۔

پھر فرماتا ہے جو شخص ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کے استعمال کی طرف مجبور رہے بس ہو جائے تو وہ ایسے اضطرار کی حالت میں انہیں کام لا سکتا ہے۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس بندے نے اس کی حد نہیں توڑی لیکن بے کسی اور اضطرار کے موقعہ پر اس نے یہ کیا ہے تو اللہ اسے معاف فرمادے گا۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر بندوں کا عمل کرنا ناپسند تھا جسے اپنی نافرمانی سے رک جانا مسند احمد میں ہے جو شخص اللہ کی دی ہوئی رخصت نہ قبول کرے اس پر عرافت کے پہاڑ برابر گرنا ہے۔ اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ بعض صورتوں میں مردار کا کھانا واجب ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک شخص کی بھوک کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب مر چاہتا ہے اور کبھی جائز ہو جاتا ہے اور کبھی مباح ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بھوک کے وقت جبکہ حلال چیز میسر نہ ہو تو حرام صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے کہ جان بچ جائے یا پیٹ بھر سکتا ہے بلکہ ساتھ بھی رکھ سکتا ہے۔ اس کے تفصیلی بیان کی جگہ احکام کی کتاب میں ہیں۔ اس مسئلہ میں جب بھوک کا شخص جس کے اوپر اضطرار کی حالت ہے مردار اور دوسرے کا کھانا اور حالت احرام میں شکار رتیبوں چیزیں موجود پائے تو کیا وہ مردار کھالے یا حالت احرام میں ہونے کے باوجود شکار کر لے اور اپنی آسانی کی حالت میں اس کی جزا یعنی فدیہ ادا کر دے یا دوسرے کی

چیز بلا اجازت کھالے اور اپنی آسانی کے وقت اسے وہ واپس کر دے؟ اس میں دو قول ہیں۔ امام شافعیؒ سے دونوں مروی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مردار کھانے کی یہ شرط جو عوام میں مشہور ہے کہ جب تین دن کا فائدہ ہو جائے تو حلال ہوتا ہے، یہ بالکل غلط ہے بلکہ جب اضطرار بے قراری اور مجبوری کی حالت میں ہو اس کے لئے مردار کھانا حلال ہو جاتا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضورؐ ہم ایسی جگہ رہتے ہیں کہ آئے دن ہمیں فقر و فاقہ کی نوبت آ جاتی ہے تو ہمارے لئے مردار کا کھالینا کیا جائز ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ”جب صبح شام نہ ملے اور نہ کوئی سبزی ملے تو تمہیں اختیار ہے۔“ اس حدیث کی ایک سند میں ارسال بھی ہے لیکن مسند اہل مرفوع حدیث کی اسناد شرطِ شیعین صحیح ہے۔ ابنِ عونؒ فرماتے ہیں حضرت حسنؒ کے پاس حضرت سرہ کی کتاب تھی جسے میں ان کے سامنے پڑھتا تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ صبح شام نہ ملنا اضطرار ہے، ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ حرام کھانا تک حلال ہو جاتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ”جب تک کہ تو اپنے بچوں کو دودھ سے شکم سیر نہ کر سکے اور جب تک کہ ان کا سامان نہ آ جائے۔“ ایک اعرابی نے حضورؐ سے حلال حرام کا سوال کیا، آپؐ نے جواب دیا کہ کل پاکیزہ چیزیں حلال اور کل خبیث چیزیں حرام۔ ہاں جب کہ ان کی طرف محتاج ہو جائے تو انہیں کھا سکتا ہے جب تک کہ ان سے غنی نہ ہو جائے، اس نے پھر دریافت کیا کہ وہ محتاجی کون سی ہے جس میں میرے لئے وہ حرام چیز حلال ہوئے اور وہ غنی ہونا کون سا ہے جس میں مجھے اس سے رک جانا چاہئے؟ فرمایا جبکہ تو صرف رات اپنے بال بچوں کو دودھ سے آسودہ کر سکتا ہو تو حرام چیز سے پرہیز کر۔ ابو داؤدؒ میں ہے، حضرت نجیح عامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے لئے مردار کا کھانا تک حلال ہو جاتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، تمہیں کھانے کو کیا ملتا ہے؟ اس نے کہا، ”صبح کو صرف ایک پیالہ دودھ اور شام کو بھی صرف ایک پیالہ دودھ“ آپؐ نے کہا، یہی ہے اور کوئی بھوک ہوگی؟ پس اس حالت میں آپؐ نے انہیں مردار کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ صبح شام ایک ایک پیالہ دودھ کا انہیں ناکافی تھا، بھوک باقی رہتی تھی۔ اس لئے ان پر مردہ حلال کر دیا گیا تاکہ وہ پیٹ بھر لیا کریں۔ اسی کو دلیل بنا کر بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اضطرار کے وقت مردار کو پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے، صرف جان بچ جائے انتہائی کھانا جائز ہو، یہ حد تک نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابو داؤدؒ کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص مع ال و عیال کے آیا اور حرم میں ٹھہرا، کسی صاحب کی اونٹنی گم ہو گئی تھی۔ اس نے ان سے کہا، ”اگر میری اونٹنی تمہیں مل جائے تو اسے پکڑ لینا۔ اتفاق سے یہ اونٹنی اسے مل گئی۔ اب یہ اس کے مالک کو تلاش کرنے لگے لیکن وہ نہ ملا اور اونٹنی بیمار پڑ گئی تو اس شخص کی بیوی صاحبہ نے کہا کہ ہم بھوکے رہا کرتے ہیں تم اسے ذبح کر ڈالو لیکن اس نے انکار کر دیا“ آخر اونٹنی مر گئی تو پھر بیوی صاحبہ نے کہا، ”اب اس کی کھال کھینچ لو اور اس کے گوشت اور جربہ کو ٹکڑے کر کے کھا لو، ہم بھوکوں کو کام آ جائے گا“ اس بزرگ نے جواب دیا، ”میں تو یہ بھی نہیں کروں گا۔ ہاں اگر اللہ کے نبیؐ اجازت دے دیں تو اور بات ہے چنانچہ حاضر حضورؐ ہو کر اس نے تمام قصہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تمہارے پاس اور کچھ کھانے کو ہے جو تمہیں کافی ہو؟ جواب دیا کہ نہیں، آپؐ نے فرمایا، پھر تم کھا سکتے ہو۔ اس کے بعد اونٹنی والے سے ملاقات ہوئی اور جب اسے یہ علم ہوا تو اس نے کہا، پھر تم نے اسے ذبح کر کے کھا کیوں نہ لی؟ اس بزرگ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ شرم معلوم ہوئی۔ یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ بوقت اضطرار مردار کا پیٹ بھر کر کھانا بلکہ اپنی حاجت کے مطابق اپنے پاس رکھ لینا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوا ہے کہ یہ حرام بوقت اضطرار اس کے لئے مباح ہے جو کسی گناہ کی طرف میلان نہ رکھتا ہو اس کے لئے اسے مباح کر کے دوسرے سے خاموشی ہے۔ جیسے سورہ بقرہ میں ہے فَصْنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی جو شخص بے قرار کیا جائے سوائے باغی اور حد سے گزرنے والے کے، پس اس پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان کرنے والا ہے۔ اس آیت

سے یہ بات استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کی نافرمانی کا سفر کر رہا ہے اسے شریعت کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت حاصل نہیں اس لئے کہ رخصتیں گناہوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ قُلْ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا
عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ
فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكَنَّ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۵﴾

تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال ہے؟ تو کہہ دے کہ تمام پاک چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں اور جن شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھار کھا ہو تو تم انہیں خود اہت وہ سکھاؤ جس کی تعلیم اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے پس وہ شکار کو تمہارے لئے بکڑ کر روک رکھیں تو تم اسے کھا لو اور اس پر اللہ کا نام ذکر کر لیا کہ اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○

شکاری کتے اور شکار: ☆☆ (آیت ۴): چونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے والی غیبت چیزوں کی حرمت کا بیان فرمایا خواہ نقصان جسمانی ہو یا دینی یا دونوں پھر ضرورت کی حالت کے احکامات مخصوص کرائے گئے جیسے فرمان ہے وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرُّرْتُمْ إِلَيْهِ یعنی تمام حرام جانوروں کا بیان تفصیل سے تمہارے سامنے آ چکا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تم حالات کی بناء پر بے بس اور بے قرار ہو جاؤ۔ تو اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال چیزوں کے دریافت کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ تمام پاک چیزیں تم پر حلال ہیں۔ سورہ اعراف میں آنحضرت ﷺ کی یہ صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور غیبت چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلہ طائی کے دو شخصوں حضرت عدی بن حاتم اور ید بن مہملہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ مردہ جانور تو حرام ہو چکا اب حلال کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت سعیدؓ فرماتے ہیں یعنی ذبح کئے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔

مقاتلؓ فرماتے ہیں ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے۔ امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ دوا کے طور پر پشٹاب کا پینا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ وہ طیبات میں داخل نہیں امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کا بچنا کیسا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں؟ فرمایا وہ طیبات میں داخل نہیں۔ اور تمہارے لئے شکاری جانوروں کے ذریعہ کھلایا ہوا شکار بھی حلال کیا جاتا ہے مثلاً سمجھائے ہوئے کتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ یہی مذہب ہے جمہور صحابہؓ، تابعینؓ و غیرہ کا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شکاری سدھے ہوئے کتے بازو چیتے، شکرے وغیرہ ہر وہ پرندہ جو شکار کرنے کی تعلیم دیا جاسکتا ہو۔ اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہی مروی ہے کہ پھانسنے والے جانوروں اور ایسے ہی پرندوں میں سے جو بھی تعلیم حاصل کر لے ان کے ذریعہ شکار کھلنا حلال ہے۔ لیکن حضرت مجاہدؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ کہا ہے اور دلیل میں وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ پڑھا ہے۔ سعید بن جبیرؓ سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ شحاک اور سدنیؒ کا بھی یہی قول ابن جریرؒ میں مروی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں بازو وغیرہ پرندہ جو شکار پکڑیں اگر وہ تمہیں زندہ مل جائے تو ذبح کر کے کھا لو ورنہ نہ کھاؤ لیکن جمہور علماء اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعہ جو شکار ہو اس کا اور شکاری کتوں کے کئے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے۔ ان میں تفریق کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ چاروں اماموں وغیرہ کا مذہب بھی یہ ہے۔

امام ابن جریر بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول مقبول ﷺ سے باز کے کئے ہوئے شکار کا مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ”جس جانور کو وہ تیرے لئے روک رکھے تو اسے کھالے۔“ امام احمدؒ نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار بھی مستثنیٰ کر لیا ہے اس لئے کہ کہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور پالنا حرام ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نماز کو تین چیزیں توڑ دیتی ہیں ”گدھا“ عورت اور سیاہ کتا۔ اس پر حضرت ابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ سیاہ کتے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا ”وہ شیطان ہے۔“

دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا انہیں کتوں سے کیا واسطہ؟ ان کتوں میں سے سخت سیاہ کتوں کو مار ڈالا کرو۔ شکاری حیوانات کو جو ارح اس لئے کہا گیا کہ جرح کہتے ہیں کب اور کمانی کو جیسے عرب کہتے ہیں فلاں جرح اہلہ خیر یعنی فلاں شخص نے اپنی اہل کے لئے بھلائی حاصل کر لی اور عرب کہتے ہیں فلاں لا جرح له فلاں شخص کا کوئی کماد نہیں قرآن میں بھی لفظ جرح کب اور کمانی اور حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ فرمان ہے وَ عَلَّمْ مَا جَرَحَ بِالنَّهَارِ یعنی دن کو جو بھلائی برائی تم حاصل کرتے ہو اور اسے بھی اللہ جانتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے اترنے کی وجہ ابن ابی حاتم میں یہ ہے کہ حضورؐ نے کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کئے جانے لگے تو لوگوں نے آ کر آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ جس امت کے قتل کا حکم آپؐ نے دیا ہے ان سے ہمارے لئے کیا فائدہ حلال ہے؟ آپؐ خاموش رہے اس پر یہ آیت اتری۔ پس آپؐ نے فرمایا ”جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑے اور بسم اللہ بھی کہے پھر وہ شکار پکڑ لے اور روک رکھے تو جب تک وہ نہ کھائے یہ کھالے۔“ ابن جریر میں ہے جبرائیلؑ نے حضورؐ سے اندر آنے کی اجازت چاہی آپؐ نے اجازت دی لیکن وہ پھر بھی اندر نہ آئے تو آپؐ نے فرمایا اے قاصد رب! ہم تو تمہیں اجازت دے چکے پھر کیوں نہیں آتے؟ اس پر فرشتے نے کہا ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا ہو اس پر آپؐ نے حضرت رافعؓ کو حکم دیا کہ مدینے کے کل کتے مار ڈالے جائیں اور رافعؓ فرماتے ہیں میں گیا اور سب کتوں کو قتل کرنے لگا ایک بڑھیا کے پاس کتا تھا جو اس کے دامن میں لپٹنے لگا اور بطور فریاد اس کے سامنے بھونکنے لگا مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور آ کر حضورؐ کو خبر دی آپؐ نے حکم دیا کہ اسے بھی باقی نہ چھوڑ ڈالیں پھر واپس گیا اور اسے بھی قتل کر دیا اب لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ جس امت کے قتل کا آپؐ نے حکم دیا ہے ان سے کوئی فائدہ ہمارے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت یَسْتَفْهِكُمُ اللَّهُ الْخَالِصَ نَزَلَ ہوئی۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینے کے کتوں کو قتل کر کے پھر اور رافعؓ آس پاس کی بستیوں میں پہنچے اور مسئلہ دریافت کرنے والوں کے نام بھی اس میں ہیں یعنی حضرت عامر بن عدیؓ حضرت سعید بن خنیسہؓ حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم محمد بن کعب قرظیؓ فرماتے ہیں کہ آیت کا شان نزول کتوں کا قتل ہے۔ مُکَلِّبِیْنِ کا لفظ ممکن ہے کہ علمتم کی ضمیر یعنی فاعل کا حال ہو اور ممکن ہے کہ جوارح یعنی مقتول کا حاصل ہو۔ یعنی جن شکار حاصل کرنے والے جانوروں کو تم نے سدھایا ہو اور حالانکہ وہ شکار کو اپنے بچوں اور ناخنوں سے شکار کرتے ہوں۔ اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ شکاری جانور جب شکار کو اپنے صدمے سے ہی دیوبج کر مار ڈالے تو وہ حلال نہ ہوگا جیسے کہ امام شافعیؒ کے دونوں قولوں میں سے ایک قول ہے اور علماء کا ایک جماعت کا خیال ہے۔ اسی لئے فرمایا تم نے انہیں اس سے کچھ سکھا دیا ہو جو اللہ نے تمہیں سکھا رکھا ہے یعنی جب تم چھوڑ دو تو جائے جب تم روک لو تو رک جائے اور شکار پکڑ کر تہارے لئے روک رکھے تاکہ تم جا کر اسے لے لو اس نے خود اپنے لئے اسے شکار نہ کیا ہو۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جب شکاری جانور سدھا ہوا ہو اور اس نے اپنے چھوڑنے والے کے لئے شکار کیا ہو اور اس نے بھی اس کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لیا ہو تو وہ شکار مسلمانوں کے لئے حلال ہے گو وہ شکار مزہبی گیا ہو اس پر

اجماع ہے۔

اس آیت کے مسئلہ کے مطابق ہی بخاری و مسلم کی یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ اللہ کا نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑنا ہوں تو آپ نے فرمایا جس جانور کو وہ پکڑ رکھے تو اسے کھالے اگرچہ کتے نے اسے مار بھی ڈالا ہو یاں یہ ضرور ہے کہ اس کے ساتھ شکار کرنے میں دوسرا کتا نہ ملا ہو اس لئے کہ تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہے دوسرے کو بسم اللہ پڑھ کر نہیں چھوڑا میں نے کہا میں تو کدارنگڑی سے شکار کھیلتا ہوں فرمایا اگر وہ اپنی تیزی کی طرف سے ڈبی کر لے تو کھالے اور اگر اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہو تو نہ کھا کیونکہ وہ لٹھ مارا ہوا ہے دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام پڑھ لیا کر چھوڑہ شکار کو تیرے لئے پکڑ رکھے اور تیرے بچنے جانے پر شکار زندہ مل جائے تو تو اسے ذبح کر ڈال اور اگر کتے نے ہی اسے مار ڈالا ہو اور اس میں سے کھایا نہ ہو تو تو اسے بھی کھا سکتا ہے اس لئے کہ کتے کا اسے شکار کر لینا ہی اس کا ذبیحہ ہے۔ اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر اس نے کھالیا ہو تو پھر اسے نہ کھا۔ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے کھانے کے لئے شکار نہ پکڑا ہو؟ یہی دلیل جمہوری ہے اور حقیقتاً امام شافعی کا صحیح مذہب بھی یہی ہے کہ جب کتا شکار کو کھالے تو وہ مطلق حرام ہو جاتا ہے اس میں کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ہاں سلف کی ایک جماعت کا یہ قول بھی ہے کہ مطلقاً حلال ہے ان کے دلائل یہ ہیں۔ سلمان فارسی فرماتے ہیں تو کھا سکتا ہے اگرچہ کتے نے نہائی حصہ کھالیا ہو۔ حضرت سعید بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ کوکڑا ہی باقی رہ گیا ہو پھر بھی کھا سکتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں گو دو ہتھائیاں کتا کھا گیا ہو پھر بھی تو کھا سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں جب بسم اللہ کہہ کر تو نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑا ہو تو جس جانور کو اس نے تیرے لئے پکڑ رکھا ہے تو اسے کھالے کتے نے اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو۔ یہی مروی ہے حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے۔ حضرت عطاء اور حضرت حسن بصری سے اس میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ زہری ربیعہ اور مالک سے بھی یہی روایت کی گئی ہے اسی کی طرف امام شافعی اپنے پہلے قول میں گئے ہیں اور نئے قول میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی سے ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے پھر شکار کو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے کھالیا ہو تو جو باقی ہوا اسے وہ کھا سکتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں بقول ابن جریر نظر ہے اور سعید راوی کا حضرت سلمان سے سنا معلوم نہیں ہوا اور دوسرے فقہ راوی اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت سلمان کا قول نقل کرتے ہیں یہ قول ہے تو صحیح لیکن اسی معنی کی اور مرفوع حدیثیں بھی مروی ہیں۔

ابوداؤد میں ہے حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی ابو ثعلبہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضور تیرے پاس شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں۔ ان کے شکار کی نسبت کیا توئی ہے؟ آپ نے فرمایا جو جانور وہ تیرے لئے پکڑیں وہ تجھ پر حلال ہے اس نے کہا ذبح کر سکوں جب بھی اور ذبح نہ کر سکوں تو بھی؟ اور اگرچہ کتے نے کھالیا ہو تو بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں گو کھا بھی لیا ہو۔ انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ میں اپنے تیرے مکان سے جو شکار کروں اس کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا اسے بھی تو کھا سکتا ہے پوچھا اگر وہ زندہ ملے اور میں اسے ذبح کر سکوں تو بھی اور تیرے لگتے ہی مر جائے تو بھی؟ فرمایا بلکہ وہ تجھے نظر نہ پڑے اور ڈھونڈنے سے مل جائے تو بھی۔ بشرطیکہ اس میں کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو۔ انہوں نے تیسرا سوال کیا کہ بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کا استعمال کرنا ہمارے لئے کیسا ہے؟ فرمایا تم انہیں دھو ڈالو پھر ان میں کھانی سکتے ہو یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

ابوداؤد کی دوسری حدیث میں ہے جب تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو تو اس کے شکار کو کھا سکتا ہے گو اس نے اس میں

سے بھی کھالیا ہوا تیرا تھ جس شکار کو تیرے لئے لایا ہوا ہے بھی تو کھا سکتا ہے۔ ان دونوں احادیث کی سندیں بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ تیرا سدھایا ہوا کتا جو شکار تیرے لئے کھیلے تو اسے کھالے۔ حضرت علیؓ نے پوچھا اگر چہ اس نے اس میں سے کھالیا ہو فرمایا ہاں۔ پھر بھی ان آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتے نے شکار کو کھالیا ہوتا ہم بقیہ شکار شکاری کھا سکتا ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والوں کے یہ دلائل ہیں۔ ایک اور جماعت ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اگر شکار پکڑتے ہی کھائے بیٹھ گیا تو بقیہ حرام اور شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کیا اور باوجود خامی دیر گزر جانے کے اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے اسے کھالیا ہو تو بقیہ حلال۔ پہلی بات محمول ہے حضرت عدیؓ والی حدیث اور دوسری پر محمول ہے ابو ثعلبہؓ والی حدیث۔ یہ فرق بھی بہت اچھا ہے اور اس سے صحیح حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں۔ استاذ ابوالعالی جوینی نے اپنی کتاب نہایہ میں یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش کوئی اس بارہ میں یہ وضاحت کرے تو الحمد للہ یہ وضاحت لوگوں نے کر لی۔

اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے۔ وہ یہ کہ کتے کا کھالیا ہوا شکار تو حرام ہے جیسا کہ حضرت عدیؓ کی حدیث میں ہے اور شکرے وغیرہ کا کھالیا ہوا شکار حرام نہیں اس لئے کہ وہ تو کھانے سے ہی تعلیم قبول کرتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر پرند اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا اور مار سے نہیں پھروہ پر نوچے اور گوشت کھائے تو کھالے۔ ابراہیم نخعیؒ، حماد بن سلیمانؒ، رحمہم اللہ یہی کہتے ہیں۔ ان کی دلیل ابن ابی حاتم کی یہ روایت ہے کہ حضرت عدیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور باز سے شکار کھیلنا کرتے ہیں تو ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا جو شکاری جانور یا شکار حاصل کرنے والے خود شکار کرنے والے اور سدھائے ہوئے تمہارے لئے شکار روک رکھیں اور تم نے ان پر اللہ کا نام لے لیا ہوا ہے تم کھاؤ۔ پھر فرمایا جس کتے کو تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو وہ جس جانور کو روک رکھے تو اسے کھالے میں نے کہا کو اسے مار ڈالا ہو؟ فرمایا گو مار ڈالا ہو لیکن یہ شرط ہے کہ کھایا نہ ہو۔ میں نے کہا اگر اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے ہوں تو؟ فرمایا پھر نہ کھا جب تک کہ تجھے اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ تیرے ہی کتے نے شکار کیا ہے۔ میں نے کہا ہم لوگ تیرے بھی شکار کیا کرتے ہیں۔ اس میں سے کون سا حلال ہے؟ فرمایا جو تیرے ہی کتے نے اور تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہوا ہے کھالے بقیہ دلالت یہ ہے کہ کتے میں نہ کھانے کی شرط آپ نے بتائی اور باز میں نہیں بتائی، پس ان دونوں میں فرق ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھاؤ جن حلال جانوروں کو تمہارے یہ شکاری جانور پکڑ لیں اور تم نے ان کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لے لیا ہو۔ جیسے کہ حضرت عدیؓ اور حضرت ابو ثعلبہؓ کی حدیث میں ہے اسی لئے حضرت امام احمدؒ وغیرہ اماموں نے یہ شرط ضروری بتلائی ہے کہ شکار کے لئے جانور کو چھوڑتے وقت اور تیر چلا تے وقت بِسْمِ اللّٰہ پڑھنا شرط ہے۔ جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے مراد جانور کے چھوڑنے کا وقت ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت بِسْمِ اللّٰہ کہہ لے۔ ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد کھانے کے وقت بِسْمِ اللّٰہ پڑھنا ہے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم میں عمر بن ابوسلمہ کے روئے کو حضورؐ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ اللہ کا نام لے اور اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا لوگ ہمارے پاس جو لوگ گوشت لاتے ہیں وہ نو مسلم ہیں ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا بھی ہے یا نہیں؟ تو کیا ہم اسے کھالیں؟ آپ نے فرمایا تم خود اللہ کا نام لے لو اور کھاؤ۔ مسند میں ہے کہ حضورؐ چھ صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آ کر دو لقمے اس میں سے اٹھائے آپ نے فرمایا اگر یہ بِسْمِ اللّٰہ کہہ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا، تم میں سے جب کوئی کھانے بیٹھے تو بِسْمِ اللّٰہ پڑھ لیا کرے۔ اگر اول میں بھول گیا تو جب یاد آ جائے کہہ دے بِسْمِ

اللّٰہِ اَوَّلَہُ وَاٰخِرَہُ، یہی حدیث منقطع سند کے ساتھ ابن ماجہ میں بھی ہے۔

دوسری سند سے یہ حدیث ابوداؤد ترمذی نسائی اور مسند احمد میں ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔ جابر بن صبیح فرماتے ہیں حضرت عثمان بن عبد الرحمن خزاعی کے ساتھ میں نے واسطہ کا سفر کیا، ان کی عادت تھی کہ کھانا شروع کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ کہہ لینے اور آخری لقمہ کے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہُ وَاٰخِرَہُ کہہ لیا کرتے اور مجھ سے انہوں نے فرمایا کہ خالد بن امیہ بن بخشی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ شیطان اس شخص کے ساتھ کھانا کھاتا رہتا ہے جس نے اللہ کا نام نہ لیا ہو جب کھانے والا اللہ کا نام یاد کرتا ہے تو اسے تے ہو جاتی ہے اور جتنا اس نے کھایا ہے سب نکل جاتا ہے (مسند احمد وغیرہ) اس کے راوی کو ابن معین اور نسائی تو ثقہ کہتے ہیں لیکن ابوالفتح ازہوی فرماتے ہیں یہ دلیل لینے کے قابل راوی نہیں۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں ہم نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی، جیسے کوئی اسے دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اس نے لقمہ اٹھا ناچا۔ حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا آپ نے اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لئے حلال کر لیتا ہے۔ وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تا کہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر وہ اعرابی کے ساتھ آیا میں نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے (مسند مسلم ابوداؤد نسائی)

مسلم ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جاتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے اللہ کا نام یاد کر لیا کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اے شیطانو نہ تو تمہارے لئے رات گزارنے کی جگہ ہے نہ رات کا کھانا اور جب وہ گھر میں جاتے ہوئے کھاتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتا تو وہ پکار دیتا ہے کہ تم نے شب باشی کی اور کھانا کھانے کی جگہ پالی مسند ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور کی خدمت میں شکایت کی کہ تم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا تو آپ نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے۔ کھانا سب مل کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ اس میں اللہ کی طرف سے برکت دی جائے گی۔

الْيَوْمَ اَحَلَّ لَكُمْ الظِّبْتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتَابَ
حَلًّا لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلًّا لَهُمْ وَالْمُحْصَنَتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ
وَالْمُحْصَنَتُ مِنَ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا
اتَّبَعُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا
مُنْخَذِيْ اَخْدَابٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ
وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لئے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا بچہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا بیچوان کے لئے حلال ہے اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں جبکہ تم ان کے ہمراہ کرو اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو نہ بطور علانیہ نہ کاری کے اور نہ بطور پوشیدہ بدکاری کے منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں ○

ذبیحہ کے نام اور کن ہاتھوں کا حلال ہے؟ ☆ ☆ (آیت: ۵) حلال و حرام کے بیان کے بعد بطور خلاصہ فرمایا کہ کل سحری چیزیں حلال ہیں پھر یہود و نصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کی حلت بیان فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ ابو امامہؓ مجاہدؓ سعید بن جبیرؓ عکرمہؓ عطاء حسنؓ محمولؓ ابراہیمؓ غنمیؓ سدیؓ مقاتل بن حیانؓ رحمہم اللہ یہ سب یہی کہتے ہیں کہ طعام سے مراد ان کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے جس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے۔ علماء اسلام کا اس پر مکمل اتفاق ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا جائز جانتے ہیں اور ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام نہیں لیتے گوان کے عقیدے ذات باری کی نسبت یکسر اور سراسر باطل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک و منزہ ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی ایک مشک مل گئی۔ میں نے اسے قبضہ میں کیا اور کہا 'اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دوں گا' اب جو ادھر ادھر نگاہ پھرائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرما رہے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں سے کھانے پینے کی ضروری چیزیں تقسیم سے پہلے بھی لے لی جائز ہیں اور یہ استدلال اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ تینوں مذہب کے فقہانے مائیکوں پر اپنی سند پیش کی ہے اور کہا ہے کہ تم جو کہتے ہو اہل کتاب کا وہی کھانا ہم پر حلال ہے جو خود ان کے ہاں بھی حلال ہوئے غلط ہے کیونکہ چربی کو یہودی حرام جانتے ہیں لیکن مسلمان کے لئے حلال ہے لیکن یہ ایک شخص کا انفرادی واقعہ ہے۔ البتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ وہ چربی ہو جسے خود یہودی بھی حلال جانتے تھے یعنی پشت کی چربی استریوں سے لگی ہوئی چربی اور ہڈی سے ملی ہوئی چربی۔

اس سے بھی زیادہ دلالت والی تو وہ روایت ہے جس میں ہے کہ خیبر والوں نے سالمؓ یعنی ہوئی ایک بکری حضورؐ کو تحفہ دی جس کے شانے کے گوشت کو انہوں نے زہر آلود کر رکھا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضورؐ گوشتانے کا گوشت پسند ہے چنانچہ آپؐ نے اس کا یہی گوشت لے کر منہ میں رکھ کر دانتوں سے ٹوڑا تو فرمان باری سے اس شانے نے کہا 'مجھ میں زہر ملا ہوا ہے' آپؐ نے اسی وقت اسے تھوک دیا اور اس کا اثر آپؐ کے سامنے کے دانتوں وغیرہ میں رہ گیا۔ آپؐ کے ساتھ حضرت بشر بن براہؓ بن معرودؓ بھی تھے جو اسی کے اثر سے راہی بھا ہوئے جن کے قصاص میں زہر ملانے والی عورت کو بھی قتل کیا گیا جس کا نام نسیب تھا سو جہ دلالت یہ ہے کہ خود حضورؐ نے مع اپنے ساتھیوں کے اس گوشت کے کھانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ نہ پوچھا کہ اس کی جس چربی کو تم حلال جانتے ہو اے نکال بھی ڈالا ہے یا نہیں؟ اور حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپؐ کی دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی سوکھی چربی پیش کی تھی۔ حضرت کھول فرماتے ہیں جس چیز پر نام رب نہ لیا جائے اس کا کھانا حرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر حرم فرما کر منسوخ کر کے اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانور حلال کر دیئے۔ یہ یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس جانور پر بھی نام الہی نہ لیا جائے وہ حلال ہو؟ اس لئے کہ وہ اپنے ذبیحوں پر اللہ کا نام لیتے تھے بلکہ جس گوشت کو کھاتے تھے اسے ذبیحہ پر موقوف نہ رکھتے تھے بلکہ مردہ جانور بھی کھا لیتے تھے لیکن سامرہ اور صائبہ اور ابراہیم و شیث وغیرہ پیغمبروں کے دین کے مدعی ان سے منکفی تھے جیسے کہ علماء کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے اور عرب کے نصرانی جیسے بنو تغلب، تنوخ، ہبرا، جذام، حم عاملہ کے ایسے اور بھی ہیں کہ جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں قبیلہ بنو تغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ اس لئے کہ انہوں نے تو نصرانیت سے سوائے شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں لی۔ ہاں سعید بن مسیب اور حسن بنو تغلب کے نصاریٰ کے ہاتھوں ذبح کئے ہوئے جانور کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔ باقی رہے مجوسی ان سے گوجر یہ لیا گیا ہے کیونکہ انہیں اس مسئلہ میں یہود و نصاریٰ میں ملا دیا گیا ہے اور ان کا ہی تابع کر دیا گیا ہے لیکن ان کی عورتوں سے نکاح کرنا

اور ان کے ذبح کئے ہوئے جانور کا کھانا ممنوع ہے۔ ہاں ابو ثور راہراجم بن خالد کبھی جو شافعی اور احمد کے ساتھیوں میں سے تھے اس کے خلاف ہیں جب انہوں نے اسے جائز کہا اور لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو فقہاء نے اس قول کی زبردست تردید کی۔ یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا کہ ابو ثور اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے یعنی نیل کا باپ ممکن ہے ابو ثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ فتویٰ دیا جو جس میں حکم ہے کہ بخوسوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا طریقہ برتو لیکن اولاً تو یہ روایت ان الفاظ سے ثابت ہی نہیں۔ دوسرے یہ روایت مرسل ہے۔ ہاں البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ بھر کے بخوسوں سے رسول اللہ ﷺ نے جزیہ لیا۔ علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابو ثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے عموم سے بھی اس آیت میں حکم امتناعی کو دلیل بنا کر اہل کتاب کے سوا اور دین والوں کا بھی ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنا ذبیحہ کھلا سکتے ہو۔ یہ اس امر کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں ان کے لئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس کی بات کی خبر ہو کہ انہیں بھی ان کی کتاب میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ اللہ کے نام پر ہوا ہو اسے وہ کھالیں بلحاظ اس سے کہ ذبح کرنے والا انہی میں سے ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو لیکن زیادہ باذن بات پہلی ہی ہے یعنی یہ کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنا ذبیحہ کھلاؤ جیسے کہ ان کے ذبح کئے ہوئے جانور تم کھا لیتے ہو۔ یہ گویا دل بدل کے طور پر ہے جس طرح حضور ﷺ نے عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق کو اپنے خاص کرتے میں کفن دیا جس کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا کرتا دیا تھا۔ جب وہ مدینے میں آئے تھے تو آپ نے اس کا بدلہ چکا دیا۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پرہیزگاروں کے اور کسی کو نہ کھلاؤ اسے اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہئے ہو سکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور پسندیدگی اور افضلیت کے ہو واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے یہ بطور تمہید کے ہے اسی لئے اس کے بعد یہ فرمایا کہ تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے ان کی عقیقہ عورتوں سے بھی نکاح تمہیں حلال ہے۔ یہ قول بھی ہے کہ مراد محصنات سے آزاد عورتیں ہیں یعنی لونڈیاں نہ ہوں۔ یہ قول حضرت مجاہدؒ کی طرف منسوب ہے اور حضرت مجاہدؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ محصنات سے آزاد مراد ہیں اور جب یہ ہے تو جہاں اس قول کا وہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ لونڈیاں اس سے خارج ہیں وہاں یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ پاک دامن عفت شعار۔ جیسے کہ انہی سے دوسری روایت انہی لفظوں میں موجود ہے۔ جمہور بھی یہی کہتے ہیں اور یہ زیادہ ٹھیک بھی ہے۔ تاکہ ذمیہ ہونے کے ساتھ یہ غیر عقیقہ ہونا شامل ہو کر بالکل ہی باعث فساد نہ بن جائے اور اس کا خاوند صرف فضول بھرتی کے بطور پر بری راع پر نہ چل پڑے۔ پس بظاہر یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ محصنات سے مراد عفت ماب اور بدکاری سے بچاؤ والیاں ہی لی جائیں۔ جیسے دوسری آیت میں مُحْصَنَات کے ساتھ ہی غَيْرِ مُسَا فَحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ اٰخِذَانِ آیا ہے۔ علماء اور مفسرین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا یہ آیت ہر کتابیہ عقیقہ عورت پر مشتمل ہے؟ خواہ وہ آزاد ہو خواہ لونڈی ہو؟

ابن جریرؒ میں سلف کی ایک جماعت سے اسے نقل کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ محصنات سے مراد پاک دامن ہے۔ ایک قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مراد اہل کتاب سے اسرائیلی عورتیں ہیں۔ امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمیہ عورتیں ہیں سوائے آزاد عورتوں کے۔ اور دلیل یہ آیت ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ اِلٰھِیْنَ اَنْ تَزُوْا لِلّٰهِ پناہ

قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لہرائیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے اس سے بڑا شرک کیا ہوگا کہ وہ کہتی ہو کہ اس کا رب عیسیٰ ہے اور جب یہ شرک ٹھہریں تو نص موجود ہے کہ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا بِالْإِسْلَامِ یعنی شرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب شرک عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہؓ ان سے رک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے اور صحابیؓ ایک جماعت سے ایسے نکاح اسی آیت کو دلیل بنا کر کرنے ثابت ہیں تو گویا پہلے سورہ بقرہ کی آیت کی ممانعت میں یہ داخل تھیں لیکن دوسری آیت نے انہیں مخصوص کر دیا۔ یہ اس وقت جب یہ مان لیا جائے کہ ممانعت والی آیت کے حکم میں یہ بھی داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی معارض نہیں اس لئے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں عام مشرکین سے انہیں الگ بیان کیا گیا ہے جیسے آیت لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا قُلُوبُ الَّذِينَ آمَنُوا أَوْ تَوَلَّوْا الْكِتَابَ وَالْآمِنِينَ۔

پھر فرماتا ہے جب تم انہیں ان کے مقررہ مہر دے دو وہ اپنے نفس کو بچانے والیاں ہوں اور تم ان کے مہر ادا کرنے والے ہو۔ حضرت جابر بن عبداللہ عامر شعمیؓ ابراہیم نخعیؓ حسن بصریؓ رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اس نے بدکاری کی تو میاں بیوی میں تفریق کرادی جائے گی اور جو مہر خاوند نے عورت کو دیا ہے اسے واپس دلویا جائے گا۔ (ابن جریر)

پھر فرماتا ہے تم بھی پاک دامن عفت ماب ہو اور علانیہ یا پوشیدہ بدکار نہ ہو۔ پس عورتوں میں جس طرح پاک دامن اور عقیفہ ہونے کی شرط لگائی گئی تھی مردوں میں بھی یہی شرط لگائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ کھلے بدکار نہ ہوں کہ ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے ہوں اور نہ ایسے ہوں کہ خاص تعلق سے حرام کاری کرتے ہوں۔ سورہ نساء میں بھی اسی کے قائل حکم گزر چکا ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف گئے ہیں کہ زانیہ عورتوں سے توبہ سے پہلے ہرگز کسی بھلے آدمی کو نکاح کرنا جائز نہیں۔ اور یہی حکم ان کے نزدیک مردوں کا بھی ہے کہ بدکار مردوں کا نکاح کیونکہ کافرعفت شعاع عورتوں سے بھی ناجائز ہے جب تک وہ جی توبہ نہ کریں اور اس رد میں فعل سے باز نہ آجائیں۔ ان کی دلیل ایک حدیث بھی ہے جس میں ہے کہ کوڑے لگایا ہوا زانی اپنے جھسی سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔ خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جو مسلمان کوئی بدکاری کرے میں اسے ہرگز کسی مسلمان پاک دامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں۔ اس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کی کہ اے امیر المومنین شرک اس سے بہت بڑا ہے۔ اس کے باوجود بھی اس کی توبہ قبول ہے۔ اس مسئلہ کو ہم آیت الْزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً الخ کی تفسیر میں پوری طرح بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ آیت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال کا رت ہیں اور وہ آخرت میں نقصان یافتہ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ
وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ
إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ
كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ

الْغَايِبِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥﴾

اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ دھو لیا کرو اور ہاتھوں کو کہنوں سمیت اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لیا کرو۔ ہاں اگر تم تیار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لیا کرو ○ اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو ○

وضو اور غسل کے احکامات: ☆ ☆ (آیت ۶): اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ حکم وضو اس وقت ہے جبکہ آدمی بے وضو ہو۔ ایک جماعت کہتی ہے جب تم کھڑے ہو یعنی نیند سے جاگو۔ یہ دونوں قول تقریباً ایک ہی مطلب کے ہیں۔ اور حضرات فرماتے ہیں آیت تو عام ہے اور اپنے عموم پر ہی رہے گی لیکن جو بے وضو ہو اس پر وضو کرنے کا حکم وجوہاً ہے اور جو با وضو ہو اس پر استحباباً۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ابتداء اسلام میں ہر صلوٰۃ کے وقت وضو کرنے کا حکم تھا۔ پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے تھے، فتح مکہ والے دن آپؐ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اسی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ آج آپؐ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر قصد ایہ کیا ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھا کرتے تھے ہاں پیشاب کریں یا وضو ٹوٹ جائے تو نیا وضو کر لیا کرتے اور وضو ہی کے نیچے ہوئے پانی سے جرابوں پر مسح کر لیا کرتے۔ یہ دیکھ کر حضرت فضل بن یحزّٰن نے سوال کیا کہ کیا آپؐ اسے اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ میں نے نبی ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا۔

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے دیکھ کر خواہ وضو ٹوٹا ہو یا نہ ٹوٹا ہو ان کے صاحبزادے عبید اللہ سے سوال ہوتا ہے کہ اس کی کیا سند ہے؟ فرمایا اس سے حضرت اسماء بنت زید بن خطابؓ نے کہا ہے ان سے حضرت عبد اللہ بن حنظلہؓ نے جو رفیق شتوں کے غسل دیئے ہوئے کے صاحبزادے تھے بیان کیا ہے کہ حضورؐ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس حالت میں وضو باقی ہو تو بھی اور نہ ہو تو بھی۔ لیکن اس میں قدرے مشقت معلوم ہوئی تو وضو کے حکم کے بدلے مسواک کا حکم رکھا گیا۔ ہاں جب وضو ٹوٹے تو نماز کے لئے نیا وضو ضروری ہے۔ اسے سامنے رکھ کر حضرت عبد اللہ کا خیال ہے کہ چونکہ انہیں قوت ہے اس لئے وہ ہر نماز کے وقت وضو کرتے ہیں۔ آخری دم تک آپؐ کا یہی حال رہا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن والدہ۔ اس کے ایک راوی حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں لیکن چونکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ حدیث نہ کہا ہے اس لئے تدلیس کا خوف بھی جاتا رہا۔ ہاں ابن عساکر کی روایت میں یہ لفظ نہیں۔ اللہ اعلم۔ حضرت عبد اللہؓ کے اس فعل اور اس پر تنقیح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مستحب ضرور ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔

ابن جریرؒ میں ہے کہ خلفاء رضی اللہ عنہم ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ یوم القیامہ ہر نماز کے لئے

وضو کرتے اور دلیل میں یہ آیت تلاوت فرمادیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ظہر کی نماز ادا کی۔ پھر لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما رہے۔ پھر پانی لایا گیا اور آپ نے منہ دھویا ہاتھ دھوئے پھر سر کا مسح کیا اور پھر پیر کا اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو ایک مرتبہ آپ نے خفیف وضو کر کے بھی یہی فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضوان اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابوداؤد طیالسی میں حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وضو نہ لے بغیر وضو کرنا زیادتی ہے۔ اولاً تو یہ قول سنداً بہت غریب ہے، دوسرا یہ کہ مراد اس سے وہ شخص ہے جو اسے واجب جانتا ہو۔ اور صرف مستحب سمجھ کر جو ایسا کرے وہ تو عامل بالحدیث ہے۔ بخاری سنن وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے تھے۔ ایک انصاری نے حضرت انسؓ سے یہ سن کر کہا اور آپ لوگ کیا کرتے تھے؟ فرمایا ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھتے تھے جب تک وضو نہ لے نہیں۔ ابن جریر میں حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ جو شخص وضو پر وضو کرے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے اور امام ترمذیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ کسی اور کام کے وقت وضو کرنا واجب نہیں۔ صرف نماز کے لئے ہی اس کا وجوب ہے۔ یہ فرمان اس لئے ہے کہ حضور کی سنت یہ تھی کہ وضو نہ لے کر کوئی کام نہ کرتے تھے جب تک کہ پھر وضو نہ کر لیں۔ ابن ابی حاتم وغیرہ کی ایک ضعیف غریب روایت میں ہے کہ حضور جب پیشاب کا ارادہ کرتے تو ہم آپ سے بولتے لیکن آپ جواب نہ دیتے۔ ہم سلام علیک کرتے پھر بھی جواب نہ دیتے یہاں تک کہ یہ آیت رخصت کی اتری۔

ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ پاخانے سے نکلے اور کھانا آپ کے سامنے لایا گیا تو ہم نے کہا اگر فرمائیں تو وضو کا پانی حاضر کریں۔ فرمایا وضو کا حکم تو مجھے صرف نماز کے لئے کھڑا ہونے کے وقت ہی کیا گیا ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن بتاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا مجھے کچھ نماز تھوڑی ہی پڑھنی ہے جو میں وضو کروں۔ آیت کے ان الفاظ سے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ وضو میں نیت واجب ہے۔ مطلب کلام اللہ شریف کا یہ ہے کہ نماز کے لئے وضو کر لیا کر۔ جسے عرب میں کہا جاتا ہے جب تو امیر کو دیکھے کھڑا ہو جا تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ امیر کے لئے کھڑا ہو جا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے اور منہ کے دھونے سے پہلے وضو میں بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ ایک پختہ اور بالکل صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اس شخص کا وضو نہیں جو اپنے وضو پر بسم اللہ نہ کہے (حدیث کے ظاہری الفاظ تو نیت کی طرح بسم اللہ کہنے پر بھی وجوب کی دلالت کرتے ہیں واللہ اعلم۔ مترجم)۔ یہ بھی یاد رہے کہ وضو کے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کا دھو لینا مستحب ہے اور جب نیند سے اٹھا ہو تب تو سخت تاکید آتی ہے۔ بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے کوئی نیند سے جاگ کر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ تین مرتبہ دھو نہ لے۔ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ رات کے وقت کہاں رہے ہوں؟

منہ کی حد فقہاء کے نزدیک لمبائی میں سر کے بالوں کی گنے کی جو جگہ عموماً وہاں سے داڑھی کی ہڈی اور ٹھوڑی تک ہے اور چوڑائی میں ایک کان سے دوسرے کان تک۔ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں جانب کی پیشانی کے اڑے ہوئے بالوں کی جگہ سر کے حکم میں ہے یا منہ کے؟ اور داڑھی کے نکلنے ہوئے بالوں کا دھونا منہ کے دھونے کی فرضیت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ ان پر پانی کا بہانا واجب ہے اس لئے کہ منہ سامنے کرنے کے وقت اس کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو داڑھی دھانے ہوئے دیکھ کر فرمایا اسے کھول دے۔ یہ بھی منہ میں داخل ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں عرب کا محاورہ بھی یہی ہے کہ جب بچے کے داڑھی نکلتی ہے تو وہ کہتے ہیں طلحہ و جھہ پس معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں داڑھی منہ کے حکم میں ہے اور لفظ و جھہ میں داخل ہے۔

داڑھی گھنی اور بھری ہوئی ہو تو اس کا خلال کرنا بھی مستحب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے راوی کہتا ہے کہ آپ نے منہ دھوتے وقت تین دفعہ داڑھی کا خلال کیا۔ پھر فرمایا جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے (ترمذی وغیرہ) اس روایت کو امام بخاری اور امام ترمذی حسن بتاتے ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ وضو کرتے وقت ایک چلو پانی لے کر اپنی ٹھوڑی تلے ڈال کر اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے میرے رب عزوجل نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں؛ داڑھی کا خلال کرنا حضرت عمارؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کے ترک کی رخصت ابن عمرؓ، حسن بن علی رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ صحاح وغیرہ میں مروی ہے کہ حضورؐ جب وضو کرنے بیٹھتے، کلی کرتے اور ناک میں پانی دیتے۔ انہم کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں وضو اور غسل میں واجب ہیں یا مستحب؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا مذہب تو وجوب کا ہے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ مستحب کہتے ہیں۔ ان کی دلیل سنن کی وہ صحیح حدیث ہے جس میں جلدی جلدی نماز پڑھنے والے سے حضورؐ کا یہ فرمانا ہے کہ وضو کر جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ غسل میں واجب اور وضو میں نہیں۔ ایک روایت امام احمدؒ سے مروی ہے کہ ناک میں پانی دینا تو واجب اور کلی کرنا مستحب۔ کیونکہ بخاری و مسلم میں حضورؐ کا فرمان ہے جو وضو کرے وہ ناک میں پانی ڈالے۔ اور روایت میں ہے تم میں سے جو وضو کرے وہ اپنے دونوں نگوںوں میں پانی ڈالے اور اچھی طرح وضو کرے۔

مسند احمد اور بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ وضو کرنے بیٹھے تو منہ دھویا ایک چلو پانی کا لے کر کلی کی اور ناک کو صاف کیا، پھر ایک چلو لے کر داہنا ہاتھ دھویا پھر ایک چلو لے کر اسی سے بایاں ہاتھ دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر پانی کا ایک چلو لے کر اپنے داہنے پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا۔ پھر ایک چلو سے بایاں پاؤں دھویا۔ پھر فرمایا میں نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ اِلٰی الْمَرَافِقِ سے مراد مَعَ الْمَرَافِقِ ہے، جیسے فرمان ہے وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِهِمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا یعنی قیموں کے مالوں کو اپنے مالوں سمیت نہ کھا جایا کرو۔ یہ بڑا ہی گناہ ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک نہیں بلکہ کہنیوں سمیت دھونا چاہئے۔ دارقطنی وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ وضو کرتے ہوئے اپنی کہنیوں پر پانی بہاتے تھے لیکن اس کے دورانوں میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔ وضو کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ کہنیوں سے آگے اپنے شانے کو بھی وضو میں دھوے کیونکہ بخاری و مسلم میں حدیث ہے حضورؐ فرماتے ہیں میری امت وضو کے نشانوں کی وجہ سے قیامت کے دن چمکتے ہوئے اعضاؤں سے آئے گی پس تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اپنی چمک کو دور تک لے جائے۔ صحیح مسلم میں ہے، مومن کو وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا تھا۔

بِرءُ و سِبْغُ میں وجوب ہے اس کا الحاق یعنی عبادتین کے لئے ہونا تو زیادہ غالب ہے اور بعض یعنی کچھ حصے کے لئے ہونا تاہل طلب ہے۔ بعض اصولی حضرات فرماتے ہیں چونکہ آیت میں اجمال ہے اس لئے سنت نے جو اس کی تفصیل کی ہے وہی معتبر ہے اور اسی کی طرف لوٹنا پڑے گا، حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے کہا آپ وضو کر کے ہمیں بتلائیے۔ آپ نے پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ دو دو دفعہ دھوئے پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی دیا، تین ہی دفعہ اپنا منہ دھویا، پھر کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھ دو مرتبہ دھوئے، پھر دونوں ہاتھ سے سر کا مسح کیا۔ سر کے ابتدائی حصے سے گدی تک لے گئے۔ پھر وہاں سے یہیں تک واپس لائے، پھر اپنے دونوں پیر دھوئے (بخاری و مسلم) حضرت علیؓ سے بھی آنحضرت ﷺ کے وضو کا طریقہ اسی طرح منقول ہے۔ ابوداؤد میں حضرت

معاویہؓ اور حضرت مقدادؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے یہ حدیثیں دلیل ہیں اس پر کہ پورے سر کا مسح فرض ہے یہی مذہب حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ہے اور یہی مذہب ان تمام حضرات کا ہے جو آیت کو مجمل مانتے ہیں اور حدیث کو اس کی وضاحت جانتے ہیں۔ حنفیوں کا خیال ہے کہ چوتھا ہی سر کا مسح فرض ہے جو سر کا ابتدائی حصہ ہے اور ہمارے ساتھی کہتے ہی کہ فرض صرف اتنا ہے جتنے پر مسح کا اطلاق ہو جائے اس کی کوئی حد نہیں۔ سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرضیت پوری ہوگئی۔ ان دونوں جماعتوں کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ والی حدیث ہے کہ نبی ﷺ پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ پیچھے رہ گیا۔ جب آپ قضائے حاجت کر چکے تو مجھ سے پانی طلب کیا۔ میں لوٹا لے آیا آپ نے اپنے دونوں پہنچے دھوئے پھر منہ دھویا۔ پھر کلائیوں پر سے کپڑا ہٹایا اور پیشانی سے ملے ہوئے بالوں اور گھڑی پر مسح کیا اور دونوں جرابوں پر بھی (مسلم وغیرہ) اس کا جواب امام احمدؒ اور ان کے ساتھی یہ دیتے ہیں کہ سر کے ابتدائی حصہ پر مسح کر کے باقی گھڑی پر پورا کر لیا اور اس کی بہت سی مثالیں احادیث میں ہیں۔ آپ صاف پر اور جرابوں پر برابر مسح کیا کرتے تھے پس یہی اولیٰ ہے اور اس میں ہرگز اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ سر کے بعض حصے پر یا صرف پیشانی کے بالوں پر ہی مسح کر لے اور اس کی تکمیل گھڑی پر نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سر کا مسح تین ہی بار ہو یا ایک ہی بار؟ امام شافعیؒ کا مشہور مذہب اول ہے اور امام احمدؒ اور ان کے قلعین کا دوم۔ دلائل یہ ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو کرنے بیٹھے ہیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالتے ہیں انہیں دھو کر پھر کلی کرتے ہیں اور ناک میں پانی دیتے ہیں۔ پھر تین مرتبہ منہ دھوتے ہیں۔ پھر تین تین بار دونوں ہاتھ کھینوں سمیت دھوتے ہیں پہلے دایاں پھر بایاں۔ پھر اپنے سر کا مسح کرتے ہیں۔ پھر دونوں ہیر تین تین بار دھوتے ہیں پہلے داہنا پھر بایاں۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا اور وضو کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر رکعت نماز ادا کرے جس میں دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں (بخاری و مسلم) سنن ابی داؤد میں اسی روایت میں سر کے مسح کرنے کے ساتھ ہی یہ لفظ بھی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور جن لوگوں نے سر کے مسح کو بھی تین بار کہا ہے انہوں نے اس حدیث سے دلیل لی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے تین تین بار اعضاء وضو دھویا حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ آپ نے وضو کیا پھر اسی طرح روایت ہے اور اس میں کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں اور اس میں ہے کہ پھر آپ نے تین مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ اپنے دونوں ہاتھ دھوئے۔ پھر فرمایا میں نے حضورؐ کو اسی طرح کرتے دیکھا اور آپ نے فرمایا جو ایسا وضو کرے اسے کافی ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ سے جو حدیثیں صحاح میں مروی ہیں ان سے تو سر کا مسح ایک بار ہی ثابت ہوتا ہے۔

أَرْجُلُكُمْ لَامِكِ زَبْرَ عَطْفٍ وَوُجُوْهُكُمْ وَأَيْدِيكُمْ پرماتحت ہے دھونے کے حکم کے۔ ابن عباسؓ یونہی پڑھتے تھے اور یہی فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عروہؓ، حضرت عطاءؓ، حضرت مکرّمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت مجاہدؓ، حضرت ابراہیمؓ، حضرت ضحاکؓ، حضرت سعدیؓ، حضرت مقاتل بن حیانؓ، حضرت زہریؓ، حضرت ابراہیمؓ، وغیرہ کا یہی قول اور یہی قرأت ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پاؤں دھونے چاہئیں۔ یہی سلف کافرانہ ہے اور یہیں سے جمہور نے وضو کی ترتیب کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ صرف ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں۔ وہ وضو میں ترتیب کو شرط نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے پیروں کو دھوئے پھر سر کا مسح کرے پھر ہاتھ دھوئے پھر منہ دھوئے جب بھی جائز ہے اس لئے کہ آیت نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ واؤ کی دلالت ترتیب پر نہیں ہوتی۔ اس کے جواب جمہور نے کئی ایک دیئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ”ف“ ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔ آیت کے الفاظ میں نماز پڑھنے والے کو منہ دھونے کا حکم لفظ فَاغْبِشُوا سے ہوتا ہے تو کم از کم منہ کا اول اول دھونا تو لفظوں سے ثابت ہو گیا۔ اب اس کے بعد کے اعضاء میں ترتیب

اجماع سے ثابت ہے جس میں اختلاف نظر نہیں آتا۔ پھر جبکہ ”ف“ جو تعقیب کے لئے ہے اور جو ترتیب کی مقتضی ہے ایک پر داخل ہو چکی تو اس ایک کی ترتیب مانتے ہوئے دوسری کی ترتیب کا انکار کوئی نہیں کرتا بلکہ یا تو سب کی ترتیب کے قائل ہیں یا کسی ایک کی بھی ترتیب کے قائل نہیں۔ پس یہ آیت ان پر یقیناً حجت ہے جو سرے سے ترتیب کے منکر ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا۔ اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ نحو یوں کی ایک جماعت کا اور بعض فقہاء کا مذہب ہے۔ پھر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ بالفرض لفظ اس کی دلالت پر ترتیب پر نہ بھی ہوتا ہم شرعاً تو جن چیزوں میں ترتیب ہو سکتی ہے ان میں اس کی دلالت ترتیب پر ہوتی ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر کے باب صفا سے نکلے تو آپ آیت اِنْ الصَّافَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ کی تلاوت کر رہے تھے اور فرمایا میں اسی سے شروع کروں گا جسے اللہ نے پہلے بیان فرمایا۔ چنانچہ صفا سے سنی شروع کی سنائی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم دینا بھی مروی ہے کہ اس سے شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔ اس کی اسناد بھی صحیح ہے اور اس میں امر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جس کا ذکر پہلے ہوا ہے پہلے کرنا اور اس کے بعد اسے جس کا ذکر بعد میں ہوا کرنا واجب ہے۔ پس صاف ثابت ہو گیا کہ ایسے مواقع پر شرعاً ترتیب مراد ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ تیسری جماعت جو لبا کہتی ہے کہ ہاتھوں کو کہیوں سمیت دھونے کے حکم اور پیروں کو دھونے کے حکم کے درمیان سر کے حکم کو بیان کرنا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ مراد ترتیب کو باقی رکھنا ہے ورنہ نظم کلام کو یوں الٹ پلٹ نہ کیا جاتا۔ ایک جواب اس کا یہ بھی ہے کہ ابوداؤد وغیرہ میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضور نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھو کر وضو کیا۔ پھر فرمایا یہ وضو ہے کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نے نماز کو قبول نہیں کرنا۔ اب دوسروں میں ہیں۔ یا تو اس وضو میں ترتیب تھی یا تھی؟ اگر کہا جائے کہ حضور کا یہ وضو مرتب تھا یعنی باقاعدہ ایک کے پیچھے ایک عضو دھویا تھا تو معلوم ہوا کہ جس وضو میں ترتیب تھی بلکہ بے ترتیب تھا، پیر دھولے، پھر کھلی کر لی، پھر سر کر لیا، پھر منہ دھویا وغیرہ تو عدم ترتیب واجب ہو جائے گی حالانکہ اس کا قائل امت میں سے ایک بھی نہیں، پس ثابت ہو گیا کہ وضو میں ترتیب فرض ہے آیت کے اس پہلے کی ایک قرأت اور بھی ہے یعنی وَآزَجِلْجُمُ لَام کے زیر سے اور اسی سے شیعہ نے اپنے اس قول کی دلیل لی ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف سر کے مسح کرنے پر ہے۔ بعض سلف سے بھی کچھ ایسے اقوال مروی ہیں جن سے مسح کے قول کا وہم پڑتا ہے۔ چنانچہ ابن جریر میں ہے کہ موسیٰ بن انس نے حضرت انس سے لوگوں کی موجودگی میں کہا کہ حجاج نے اہواز میں خطبہ دیتے ہوئے طہارت اور وضو کے احکام میں کہا کہ منہ ہاتھ دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھویا کرو عموماً پیروں پر ہی گندگی لگتی ہے پس تلوؤں کو اور پیروں کی پشت کو اور بازو کی خوب اچھی طرح دھویا کرو۔ حضرت انس نے جواباً کہا کہ اللہ سچا ہے اور حجاج جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ اور حضرت انس کی عادت تھی کہ پیروں کا جب مسح کرتے، انہیں بالکل بھگولیا کرتے، آپ ہی سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے، ہاں حضور کی سنت پیروں کا دھونا ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ وضو میں دو چیزوں کا دھونا ہے اور دو پر مسح کرنا۔ حضرت قتادہ سے بھی یہی مروی ہے ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ آیت میں پیروں پر مسح کرنے کا بیان ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما ابو جعفر محمد بن علی رحمہم اللہ اور ایک روایت میں حضرت حسن اور جابر بن زید رحمہم اللہ اور ایک روایت میں جابر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت عکرمہ اپنے پیروں پر مسح کر لیا کرتے تھے۔ شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ کی معرفت مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن چیزوں کے دھونے کا حکم تھا، ان پر تو تیمم کے وقت مسح کا حکم رہا اور جن چیزوں پر مسح کا حکم تھا، تیمم کے وقت انہیں چھوڑ دیا گیا۔ عامر سے کسی نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام پیروں کے دھونے کا حکم لائے ہیں آپ نے فرمایا جبرائیل مسح کے حکم کے ساتھ نازل ہوئے تھے۔ پس یہ سب

آثار بالکل غریب ہیں اور محمول ہیں اس امر پر کہ مرواح سے ان بزرگوں کی ہلاک دھوتا ہے کیونکہ سنت سے صاف ثابت ہے کہ پیروں کا دھونا واجب ہے یاد رہے کہ زیر کی قرات یا تو محاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے جیسے عرب کا کلام حجر ضرب حرب میں اور اللہ کے کلام علیہم یتاب سندس خضرو استبرق میں لغت عرب میں پاس ہونے کی وجہ سے دونوں لفظوں کو ایک ہی اعراب دے دینا یہ اکثر پایا گیا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک توجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب پیروں پر جراثیم ہوں۔ بعض کہتے ہیں مرواح سے ہلاک دھولینا ہے جیسے کہ بعض روایتوں میں سنت سے ثابت ہے۔ الغرض پیروں کا دھونا فرض ہے جس کے بغیر وضو نہ ہوگا۔ آیت میں بھی یہی ہے اور احادیث میں بھی یہی ہے جیسے کہ اب ہم انہیں وارد کریں گے ان شاء اللہ۔ یقینی میں ہے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظہر کی نماز کے بعد بیٹھک میں بیٹھ رہے پھر پانی منگوا لیا اور ایک چلو سے منہ کا دونوں ہاتھوں کا سرکا اور دونوں پیروں کا مسح کیا اور کھڑے ہو کر بچا ہوا پانی پی لیا۔ پھر فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے کھڑے پانی پینے کو کمزور کہتے ہیں اور میں نے جو کیا یہی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو۔ (بخاری)

شیعوں میں سے جن لوگوں نے پیروں کا مسح اسی طرح قرار دیا جس طرح جراثیم پر مسح کرتے ہیں ان لوگوں نے یقیناً غلطی کی اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی خطا کار ہیں جو مسح اور دھونا دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور جن لوگوں نے امام ابن جریر کی نسبت یہ خیال کیا ہے کہ انہوں نے احادیث کی بناء پر پیروں کے دھونے کو اور آیت قرآنی کی بناء پر پیروں کے مسح کو فرض قرار دیا ہے ان کی تحقیق بھی صحیح نہیں، تفسیر ابن جریر ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروں کو رگڑنا واجب ہے اور اعضاء میں یہ واجب نہیں کیونکہ پیرزمین کی مٹی وغیرہ سے رگڑتے رہتے ہیں تو ان کو دھونا ضروری ہے تاکہ جو کچھ لگا ہو ہٹ جائے لیکن اس رگڑنے کے لئے مسح کا لفظ لائے ہیں اور اسی سے بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے اور وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسح تو غسل جمع کر دیا ہے حالانکہ دراصل اس کے کچھ معنی ہی نہیں ہوتے، مسح تو غسل میں داخل ہے چاہے مقدم ہو چاہے موخر ہو۔ پس ہیئتاً امام صاحب کا ارادہ یہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور اس کو نہ سمجھ کر اکثر فقہاء نے اسے مشکل جان لیا۔ میں نے مکرر غور و فکر کیا تو مجھ پر صاف طور سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ امام صاحب دونوں قراتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ پس زیر کی قرات یعنی مسح کو تو وہ محمول کرتے ہیں دلک پر یعنی اچھی طرح مل رگڑ کر صاف کرنے پر اور زبر کی قرات کو غسل پر یعنی دھونے پر دلیل ہے ہی پس وہ دھونے اور ملنے دونوں کو واجب کہتے ہیں تاکہ زیر اور زبر کی دونوں قراتوں پر ایک ساتھ ہو جائے۔

اب ان احادیث کو سنئے جن میں پیروں کے دھونے کا اور پیروں کے دھونے کے ضروری ہونے کا ذکر ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ، امیر المؤمنین حضرت علی بن ابوطالبؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زید عاصمؓ، حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہم، جمیعین کی روایات پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ حضورؐ نے وضو کرتے ہوئے اپنے پیروں کو دھویا۔ ایک بار یا دو بار یا تین بار۔ عمرو بن شعیب کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے وضو کیا اور اپنے دونوں پیروں کو دھوئے۔ پھر فرمایا یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ جب آپ آئے تو ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے کیونکہ عصر کی نماز کا وقت کافی دیر سے ہو چکا تھا۔ ہم نے جلدی جلدی اپنے پیروں پر چھو اچھوٹی شروع کر دی تو آپ نے بہت بلند آواز سے فرمایا وضو کو کامل اور پورا کر ڈیڑیوں کو خرابی ہے آگ کے گلے سے ایک اور حدیث میں ہے ویل ہے ایڑیوں کے لئے اور تلوں کے لئے آگ سے (یعنی وحاکم) اور روایت میں ہے ٹخنوں کو ویل ہے آگ سے (مسند امام احمد) ایک شخص کے پیر میں ایک درہم

کے برابر جگہ بے دخلی دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا 'خرابی ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے (مسند) ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھ کر جن کی ایڑیوں پر اچھی طرح پانی نہیں پہنچا تھا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا 'ان ایڑیوں کو آگ سے خرابی ہوگی' ابن جریر میں دو مرتبہ حضورؐ کا ان الفاظ کو کہنا وارد ہے۔ راوی حضرت ابوامامہؓ جراتے ہیں 'پھر تو مسجد میں ایک بھی شریف وضع ایسا نہ رہا جو اپنی ایڑیوں کو بار بار باز دھو کر نہ دیکھتا ہو۔ اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کی ایڑی یا نچنے میں بقدر نیم درہم کے چمڑی خشک رہ گئی تھی تو یہی فرمایا 'پھر تو یہ حالت تھی کہ اگر ذرا سی جگہ پیر کی کسی کی خشک رہ جاتی تو وہ پورا وضو پھر سے کرتا پس ان احادیث سے حکم کھلا ظاہر ہے کہ پیروں کا وضو ناقص ہے۔ اگر ان کا مسح فرض ہوتا تو ذرا سی جگہ کے خشک رہ جانے پر اللہ کے نبی و عید سے اور وہ بھی جہنم کی آگ کی وعید سے نہ ڈراتے اس لئے کہ مسح میں ذرا ذرا سی جگہ پر ہاتھ کا پہنچنا داخل ہی نہیں۔ بلکہ پھر تو پیر کے مسح کی وہی صورت ہوتی ہے جو پیر کے اوپر جراب ہونے کی صورت میں مسح کی صورت ہے۔ یہی چیز امام ابن جریرؒ نے شیعوں کے مقابلہ میں پیش کی ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اس کا پیر کسی جگہ سے ناخن کے برابر دھلا نہیں خشک رہ گیا تو آپؐ نے فرمایا 'لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔' بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند میں ہے کہ ایک نمازی کو آپؐ نے نماز میں دیکھا کہ اس کے پیر میں بقدر درہم کے جگہ خشک رہ گئی ہے تو اسے وضو لانے کا حکم کیا۔ حضرت عثمانؓ سے حضورؐ کے وضو کا طریقہ جو مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے انگلیوں کے درمیان خلال بھی کیا۔ سنن میں ہے حضرت صبرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے وضو کی نسبت دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا 'وضو کامل اور اچھا کرو۔' انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی اچھی طرح دو۔ ہاں روزے کی حالت میں ہو تو اور بات ہے۔ مسند و مسلم وغیرہ میں ہے 'حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں یا رسول اللہؐ مجھے وضو کی بابت خبر دیجئے' آپؐ نے فرمایا 'جو شخص وضو کا پانی لے کر لگی کرتا ہے اور ناک میں پانی دیتا ہے اس کے منہ سے مٹھنوں سے پانی کے ساتھ ہی خطائیں خفاں ہوتی ہیں جبکہ وہ ناک بھجارتا ہے۔ پھر جب وہ منہ دھوتا ہے جیسا کہ اللہ کا حکم ہے تو اس کے منہ کی خطائیں داڑھی اور داڑھی کے بالوں سے پانی کے گرنے کے ساتھ ہی خفاں ہوتی ہیں۔ پھر وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے۔ کہیں سمیت تو اس کے ہاتھوں کے گناہ اس کی پوریوں کی طرح بھجرتا ہے، پھر وہ مسح کرتا ہے تو اس کے سر کی خطائیں اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ ہی خفاں ہوتی ہیں۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں مٹھنوں سمیت حکم الہی کے مطابق دھوتا ہے تو انگلیوں سے پانی مٹھنے کے ساتھ ہی اس کے پیروں کے گناہ بھی دور ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے لائق جو حمد و ثناء ہے اسے بیان کر کے دو رکعت نماز جب ادا کرتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ تولد ہوا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوامامہؓ نے حضرت عمرو بن عبسہؓ سے کہا 'خوب غور کیجئے کہ آپؐ کیا فرما رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ سے آپؐ نے اسی طرح سنا ہے؟ کیا یہ سب کچھ ایک ہی مقام میں انسان حاصل کر لیتا ہے؟ حضرت عمروؓ نے جواب دیا کہ ابوامامہؓ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میری ہڈیاں ضعیف ہو چکی ہیں، میری موت قریب آچکی ہے مجھے کیا فائدہ جو میں اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولوں ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں تین دفعہ نہیں میں نے تو اسے حضورؐ کی زبانی سات بار بلکہ اس سے بھی زیادہ سنا ہے۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ صحیح مسلم کی دوسری سند والی حدیث میں ہے 'پھر وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے جیسا کہ اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔'

پس صاف ثابت ہوا کہ قرآن حکیم کا حکم پیروں کے دھونے کا ہے۔ ابواسحاق سمعی نے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے اللہ و جہنم سے بواسطہ حضرت حارثؓ روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا 'دونوں پیر مٹھنوں سمیت دھوؤ جیسے کہ تم حکم کئے گئے ہو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے اپنے دونوں قدم جوتی میں ہی بھگو لئے' اس سے مراد جوتیوں میں ہی ہلکا دھونا ہے اور چپل

اپنے نعلین پر مسح کر لیا لیکن یہی حدیث دوسری سندوں سے مروی ہے اور ان میں ہے کہ آپ نے اپنی جرابوں پر مسح کیا اور ان میں مطابقت کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جرابیں پیروں میں تھیں اور ان پر نعلین تھے اور ان دونوں پر آپ نے مسح کر لیا۔ یہی مطلب اس حدیث کا بھی ہے۔ مسند احمد میں اوس بن اوس سے مروی ہے کہ حضور نے میرے دیکھتے ہوئے وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہی روایت دوسری سند سے مروی ہے۔ اس میں آپ کا کوڑے پر پیشاب کرنا پھر وضو کرنا اور اس میں نعلین اور دونوں قدموں پر مسح کرنا مذکور ہے۔ امام ابن جریر اسے بیان کرتے ہیں پھر فرمایا ہے کہ یہ محمول اس پر ہے کہ اس وقت آپ کا پہلا وضو تھا (یا یہ محمول ہے اس پر کہ نعلین جرابوں کے اوپر تھے۔ مترجم)۔

بھلا کوئی مسلمان یہ کیسے قبول کر سکتا ہے کہ اللہ کے فریضے میں اور بغیر مکی سنت میں تعارض ہو۔ اللہ کچھ فرمائے اور بغیر کچھ اور ہی کریں؟ پس حضور ﷺ کے ہمیشہ کے فعل سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور آیت کا صحیح مطلب بھی یہی ہے۔ جس کے کانوں تک یہ لیلیں پہنچ جائیں اس پر اللہ کی حجت پوری ہوگی۔ چونکہ زیر کی قرات سے پیروں کا دھونا اور زیر کی قرات کا بھی اسی پر محمول ہونا فرضیت کا قطعی ثبوت ہے اس سے بعض سلف تو یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اس آیت سے جرابوں کا مسح ہی منسوخ ہے گو ایک روایت حضرت علیؓ سے بھی ایسی مروی ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں بلکہ خود آپ سے صحت کے ساتھ اس کے خلاف ثابت ہے اور جن کا بھی یہ قول ہے ان کا یہ خیال صحیح نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ مسند احمد میں حضرت جریر بن عبد اللہ بخاری کا قول ہے کہ سورۃ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد ہی میں مسلمان ہوا اور اپنے اسلام کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو جرابوں پر مسح کرتے دیکھا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت جریر نے پیشاب کیا۔ پھر وضو کرتے ہوئے اپنی جرابوں پر مسح کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ تو فرمایا ہاں یہی کرتے ہوئے میں نے اللہ کے رسول کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث حضرت ابراہیمؓ فرماتے ہیں لوگوں کو یہ حدیث بہت اچھی لگتی تھی اس لئے کہ حضرت جریر کا اسلام لانا سورۃ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد کا تھا احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں تو اتر کے ساتھ حضورؐ کے قول و فعل سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ اب مسح کی مدت ہے یا نہیں؟ اس کے ذکر کی یہ جگہ نہیں۔ احکام کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ رافضیوں نے اس میں بھی گمراہی اختیار کی ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے لیکن روافض اسے نہیں مانتے جیسے کہ حضرت علیؓ کی ہی روایت سے بخاری و مسلم میں نکاح متعہ کی ممانعت ثابت ہے لیکن تاہم شیعہ اسے مباح قرار دیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح یہ آیت کہ یہ دونوں پیروں کے دھونے پر صاف دلالت کرتی ہے اور یہی احضورؐ کا متواتر احادیث سے ثابت ہے لیکن شیعہ جماعت اس کی بھی مخالف ہے۔ نئی الواقع ان مسائل میں ان کے ہاتھ دلیل سے بالکل خالی ہیں۔ واللہ الحمد۔

اسی طرح ان لوگوں نے آیت کا اور سلف صالحین کا مسح کے بارے میں بھی الٹ مفہوم لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قدم کی پشت ابھار کھینچیں ہے۔ پس ان کے نزدیک ہر قدم میں ایک ہی کعب یعنی ٹخنہ ہے اور جمہور کے نزدیک ٹخنے کی وہ ہڈیاں جو پنڈلی اور قدم کے درمیان ابھری ہوئی ہیں وہ کھینچیں ہیں۔ امام شافعی کا فرمان ہے کہ جن کھینچ کا یہاں ذکر ہے وہ ٹخنے کی وہ ہڈیاں ہیں جو ادھر ادھر قدرے ظاہر و دونوں طرف ہیں ایک ہی قدم میں کھینچیں ہیں۔ لوگوں کے عرف میں بھی یہی ہے اور حدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے وضو کرتے ہوئے اپنے داہنے پاؤں کو کھینچ سمیت دھویا پھر بائیں کو بھی اسی طرح۔ بخاری میں تعلقا بھینہ جزم اور صحیح ابن خزیمہ میں اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ ہماری طرف متوجہ ہو کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اپنی صفیں ٹھیک ٹھیک درست کر لو۔ تین بار یہ فرما کر فرمایا قسم اللہ کی یا تو تم اپنی صفوں کو پوری طرح درست کرو گے یا اللہ تمہارے دلوں میں مخالفت

ڈال دے گا۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ راوی حدیث فرماتے ہیں پھر تو یہ ہو گیا کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے منحنے سے ٹخنہ اور گھٹنے سے گھٹنا اور کندھے سے کندھا ملا لیا کرتا تھا۔

اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ کھین اس بڑی کا نام نہیں جو قدم کی پشت کی طرف ہے کیونکہ اس کا ملانا دو پاس پاس کے شخصوں میں ممکن نہیں بلکہ وہی دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پنڈلی کے خاتمے پر ہیں اور یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ ابن ابی حاتم میں بھی: بن حارث تبی سے منقول ہے کہ زید کے جو ساتھی شیعہ قتل کئے گئے تھے انہیں میں نے دیکھا تو ان کا ٹخنہ قدم کی پشت پر پایا۔ یہ انہیں قدرتی سزا تھی جو ان کی موت کے بعد ظاہر کی گئی اور مخالفت حق کا بدلہ دیا گیا۔

اس کے بعد تہتم کی صورتیں اور تہتم کا طریقہ بیان ہوا ہے۔ اس کی پوری تفسیر سورہ نساء میں گزر چکی ہے لہذا یہاں بیان نہیں کی جاتی۔ آیت تہتم کا شان نزول بھی وہیں بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے متعلق خاصاً ایک حدیث وارد کی ہے۔ اسے سن لیجئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المومنین کا بیان ہے کہ میرے گلے کا ہار بیداء میں گر گیا۔ ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے حضورؐ نے سواری روکی اور میری گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ پر بگڑنے لگے کہ تو نے ہار کھو کر لوگوں کو روک دیا اور مجھے بچو۔ کے مارنے لگے جس سے مجھے تکلیف ہوئی لیکن حضورؐ کی عیند میں غلغلہ انداز ہی نہ ہوا اس خیال سے میں ہلی جلی نہیں حضورؐ جب جاگے اور صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور پانی کی تلاش کی گئی تو پانی نہ ملا اس پر یہ پوری آیت نازل ہوئی۔ حضرت اسید بن حنیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے: آل ابوبکر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے تمہیں باہر کرت بنا دیا ہے۔ تم ان کے لئے سرتاپا برکت ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تم پر حرج ڈالنا نہیں چاہتا۔ اسی لئے اپنے دین کو کھل آسان اور ہلکا کر دیا ہے۔ جو کھل سخت اور مشکل نہیں حکم تو اس کا یہ تھا کہ پانی سے وضو کر لیکن جب میسر نہ ہو یا بیمار ہو تو تمہیں تہتم کرنے کی رخصت عطا فرماتا ہے باقی احکام احکام کی کتابوں میں ملاحظہ ہوں۔ بلکہ اللہ کی چاہت یہ ہے کہ تمہیں پاک صاف کر دے اور تمہیں پوری پوری نعمتیں عطا فرمائے تاکہ تم اس کی رحمتوں پر اسکی شکرگزاری کرو۔ اس کی توسیع احکام اور رافت و رحمت آسانی اور رخصت پر اس کا احسان مانو۔ وضو کے بعد اللہ کے رسولؐ نے ایک دعا تعلیم فرمائی ہے جو گویا اس آیت کے ماتحت ہے۔

مسند سنن اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم باری باری اونٹوں کو چرایا کرتے تھے۔ میں اپنی باری والی رات عشاء کے وقت چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے لوگوں سے کچھ فرما رہے ہیں۔ میں بھی پہنچ گیا۔ اس وقت میں نے آپ سے یہ سنا کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کر کے دلی توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے اس کے لئے جنت واجب ہے۔ میں نے کہا واہ وہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ میری یہ بات سن کر ایک صاحب نے جو میرے آگے ہی بیٹھے تھے فرمایا اس سے پہلے جو بات حضورؐ نے فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے آپ مجھ سے فرمانے لگے۔ تم ابھی آئے ہو تمہارے آنے سے پہلے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص عموماً اور اچھا کرنے سے وضو کرے پھر کہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب ایمان و اسلام والا وضو کرنے بیٹھتا ہے اس کے منہ دھوتے ہوئے اس کی آنکھوں کی تمام خطائیں پانی کے ساتھ پانی کے آخری قطرے کے ساتھ بھڑ جاتی ہیں۔ اسی طرح ہاتھوں کے دھونے کے وقت ہاتھوں کی تمام خطائیں

اور اسی طرح پیروں کے دھونے کے وقت پیروں کی تمام خطائیں دھل جاتی ہیں۔ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ ابن جریر میں ہے: جو شخص وضو کرتے ہوئے جب اپنے ہاتھ یا بازوؤں کو دھوتا ہے تو ان سے ان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں منہ کو دھوتے وقت منہ کے گناہ الگ ہو جاتے ہیں سر کا مسح سر کے گناہ جھاڑ دیتا ہے پیر کا دھونا ان کے گناہ دھو دیتا ہے۔ دوسری سند میں سر کے مسح کا ذکر نہیں۔ ابن جریر میں ہے: جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس کے کانوں سے آنکھوں سے ہاتھوں سے پاؤں سے سب گناہ الگ ہو جاتے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں ہے وضو دھا ایمان ہے الحمد للہ کہنے سے نیکی کا پلڑا بھر جاتا ہے۔ قرآن یا توحیدی موافقت میں دلیل ہے یا تیرے خلاف دلیل ہے۔ ہر شخص صبح ہی صبح اپنے نفس کی فروخت کرتا ہے پس یا تو اپنے آپ کو آزاد کرالیتا ہے یا ہلاک کر لیتا ہے۔ اور حدیث میں ہے مال حرام کا صدقہ اللہ قبول نہیں فرماتا اور بے وضو کی نماز بھی غیر مقبول ہے (صحیح مسلم) یہ روایت ابوداؤد طیالسی مسند احمد نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ
إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
بِدَاتِ الصُّدُورِ ۝ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ
شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاَنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا
إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ
بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

تم پر رب کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انہیں یاد رکھو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے جبکہ تم نے کہا: ہم نے سنا اور مانا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے ۝ اے ایمان والو! تم اللہ کیساتھ حق پر قائم ہو جاؤ! راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت جنہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے عدل کیا کرو جو پرہیزگاری سے متصل ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً مانو کہ اللہ تمہارے اعمال

سے بہت باخبر ہے ۝

”اسلام“ زبان سے عہد اور ”ایمان“ عمل سے اطاعت اس عہد کا اظہار ہے: ☆ ☆ (آیت: ۷-۸) اس دین عظیم اور اس رسول کریم کو بھیج کر جو احسان اللہ تعالیٰ نے اس امت پر کیا ہے اسے یاد دلارہا ہے اور اس عہد پر مضبوط رہنے کی ہدایت کر رہا ہے جو مسلمانوں نے اللہ کے پیغمبر کی تابعداری اور امداد کرنے دین پر قائم رہنے سے قبول کر لیتے اسے دوسروں تک پہنچانے کے لئے کیا ہے اسلام لاتے وقت انہی چیزوں کا ہر مومن اپنی بیعت میں اقرار کرتا تھا چنانچہ صحابہ کے الفاظ ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ ہم سننے رہیں گے اور مانتے چلے جائیں گے خواہ جی چاہے خواہ نہ چاہے خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے۔ اور کسی لائق شخص سے ہم کسی کام کو نہیں چھینیں گے۔

باری تعالیٰ عز وجل کا ارشاد ہے کہ تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول تمہیں رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں

بدل دے گا۔ وہ ایمان والوں، نیک کاروں سے ان کے گناہوں کی بخشش کا اور انہیں اجر عظیم یعنی جنت دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ گودر اصل وہ اس رحمت کو صرف فضل الہی سے حاصل کریں گے لیکن رحمت کی توجہ کا سبب ان کے نیک اعمال بنے۔ پس ہیتتا ہر طرح قابلِ تریف و ستائش اللہ ہی ہے اور یہ سب کچھ اس کا فضل و رحم ہے۔ حکمت و عدل کا تقاضا یہی تھا کہ ایمانداروں اور نیک کاروں کو جنت دی جائے اور کافروں اور جھٹلانے والوں کو جہنم واصل کیا جائے چنانچہ یونہی ہوگا۔ پھر اپنی ایک اور نعمت یاد دلاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ایک منزل میں اترے لوگ ادھر ادھر سایہ دار درختوں کی تلاش میں لگ گئے۔ آپؐ نے پتھیا راتا کر ایک درخت پر لٹکا دیئے۔ ایک اعرابی نے آ کر آپؐ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے کھینچ کر آنحضرت ﷺ کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اب بتا کہ مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے فوراً جواب دیا کہ اللہ عزوجل، اس نے پھر یہی سوال کیا اور آپؐ نے پھر یہی جواب دیا، تیسری مرتبہ کے جواب کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اب آپؐ نے صحابہؓ کو آواز دی اور جب وہ آگئے تو ان سے سارا واقعہ کہہ دیا، اعرابی اس وقت بھی موجود تھا لیکن آپؐ نے اس سے کوئی بدلہ نہ لیا۔ قنادہؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے دھوکے سے حضورؐ قتل کرنا چاہا تھا اور انہوں نے اس اعرابی کو آپؐ کی گھات میں بھیجا تھا لیکن اللہ نے اسے ناکام اور نامراد رکھا۔ فالحمد للہ۔

اس اعرابی کا نام صحیح احادیث میں فوٹ بن حارث آیا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو قتل کرنے کے ارادہ سے زہر ملا کر کھانا پکا کر دعوت کر دی لیکن اللہ نے آپؐ کو آگاہ کر دیا اور آپؐ بچ رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں نے اپنے گھر میں بلا کر آپؐ کو صدمہ پہنچانا چاہا تھا۔

ابن اسحاقؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنو نضیر کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے چکی کا پاٹ قلعہ کے اوپر سے آپؐ کے سر پر گراتا چاہا تھا جبکہ آپؐ عامری لوگوں کی دیت کے لینے کے لئے ان کے پاس گئے تھے تو ان شریروں نے عمرو بن جاش بن کعب کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ ہم حضورؐ کو نیچے کھڑا کر کے باتوں میں مشغول کر لیں گے تو اوپر سے یہ پھینک کر آپؐ کا کام تمام کر دینا لیکن راستے ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو ان کی شرارت و خباثت سے آگاہ کر دیا۔ آپؐ مع اپنے صحابہؓ کے وہیں سے پلٹ گئے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہیں۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے جو کفایت کرنے والا حفاظت کرنے والا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ اللہ کے حکم سے بنو نضیر کی طرف مع لشکر گئے، محاصرہ کیا، وہ ہارے اور انہیں جلا وطن کر دیا۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّا أَكْفِرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَا دُخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور انہی میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز کو قائم رکھو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہو گے تو یقیناً یقیناً تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں اب اس عہد و پیمان کے بعد تم میں سے جو انکاری ہو جائے وہ ہلچلتا راہ راست سے ہلک گیا ○

عہد شکن لوگ؟ اور امام مہدی کون؟ ☆ ☆ (آیت ۱۲) اور پر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو عہد و پیمان کی وفا داری و حق پر مستقیم رہنے اور عدل کی شہادت دینے کا حکم دیا تھا۔ ساتھ ہی اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو یاد دلایا تھا۔ تو اب ان آیتوں میں ان سے پہلے کے اہل کتاب سے جو عہد و پیمان لیا تھا اس کی حقیقت و کیفیت کو بیان فرما رہا ہے، پھر جبکہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ ڈالے تو ان کا کیا حشر ہوا؟ اسے بیان فرما کر گویا مسلمانوں کو عہد شکنی سے روکتا ہے۔ ان کے بارہ سردار تھے۔ یعنی بارہ قبیلوں کے بارہ چودھری تھے جو ان سے ان کی بیعت کو پورا کراتے تھے کہ یہ اللہ اور رسول کے تابع فرمان رہیں اور کتاب اللہ کی اتباع کرتے رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب سرکشوں سے لڑنے کے لئے گئے تب یہ قبیلہ میں سے ایک ایک سردار منتخب کر گئے تھے۔ اوئیل قبیلہ کا سردار شامون بن اکون تھا، شمعونیوں کا چودھری شافاط بن جدی، یہود کا کالب بن یوحنا، بنی اسرائیل کا ابن یوسف اور افرایم کا یوشع بن نون اور بنیامین کے قبیلہ کا چودھری قسطنی بن دفون، یزبولوں کا جدی بن شوری، فشاہ کا جدی بن سوی، دان جملاس کا ابن حمل، اشعار کا ساطو، نفتالی کا بحر اور یسار کا لابل۔ توریت کے چوتھے جزیں بنو اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں کے نام مذکور ہیں۔ جو ان ناموں سے قدرے مختلف ہیں۔ واللہ اعلم۔

موجودہ توریت کے نام یہ ہیں۔ بنو اوئیل پر صونی بن سادون، بنی شمعون پر شمواں بن صور، بنو یہود پر حشون بن عمیاؤب، بنو یسار پر شال بن صاعون، بنو یزبولوں پر الیاب بن حالب، بنو افرایم پر فشاہ بن صہور، بنو فشاہ پر حنائیل بن یوشیا، بنو یوشیا پر ابیدن، بنو دان پر ہیڈر، بنو اشاذ تھایل، یون کان پر سیف بن دوا، بنو نفتالی پر اجذع۔ یاد رہے کہ لیلئہ العقبہ میں جب آنحضرت ﷺ نے انصار سے بیعت لی، اس وقت ان کے سردار بھی بارہ ہی تھے۔ تین قبیلہ اوس کے، حضرت اسید بن خضیر، حضرت سعد بن خیلہ، رضی اللہ عنہ اور حضرت رفاعہ بن عبدالمہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نورس دار قبیلہ خزرج کے تھے۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہ، سعد بن ربیع، عبد اللہ بن رواحہ، رفیع بن مالک بن عجلان، براء بن معروہ، عبادہ بن صامت، سعد بن عبادہ، عبد اللہ بن عمرو بن حرام، منذر بن عمرو بن حیش، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ انہی سرداروں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے فرامین سننے اور ماننے کی بیعت کی۔

حضرت مسروق فرماتے ہیں، ہم لوگ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، آپ ہمیں اس وقت قرآن پڑھا رہے تھے تو ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضورؐ سے یہ بھی پوچھا ہے کہ اس امت کے کتنے خلیفہ ہوں گے؟ حضرت عبد اللہ نے فرمایا، میں جب سے عراق آیا ہوں، اس سوال کو بجز تیرے کسی نے نہیں پوچھا، ہم نے حضور علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا، بارہ ہوں گے، جتنی کتنی بنو اسرائیل کے کتبیوں کی تھی۔ یہ روایت سنداً غریب ہے لیکن مضمون حدیث بخاری اور مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے۔

جابر بن سمرہ فرماتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، لوگوں کا کام چلتا رہے گا جب تک ان کے والی بارہ شخص نہ ہوں۔ پھر ایک لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میں نہ سن سکا تو میں نے دوسروں سے پوچھا کہ حضورؐ نے اب کون سا لفظ فرمایا، انہوں نے جواب دیا یہ فرمایا کہ یہ سب قریش ہوں گے۔ صحیح مسلم میں یہی لفظ ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ صالح، نیک بخت ہوں

گے۔ جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کریں گے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب پورے پورے کیے بعد دیگرے ہی ہوں۔

پس چار خلفاء تو پورے در پورے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علی رضی اللہ عنہم جن کی خلافت بطریق نبوت رہی۔ انہی بارہ میں سے پانچویں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بنو عباس میں سے بھی بعض اس طرح کے خلیفہ ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان بارہ کی تعداد پوری ہوئی ضروری ہے۔ اور ان ہی میں سے حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کی بشارت احادیث میں آچکی ہے۔ ان کا نام حضورؑ کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام حضورؑ کے والد کا ہوگا۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے حالانکہ اس سے پہلے وہ ظلم و جبر سے پر ہوگی لیکن اس سے شیعوں کا امام منتظر مراد نہیں اس کی تو دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں نہ سرے سے اس کا کوئی وجود ہے بلکہ یہ تو صرف شیعہ کی وہم پرستی اور ان کا تخیل ہے نہ اس حدیث سے شیعوں کے فراتے اثناء عشر یہ کہ مراد ہیں۔ اس حدیث کو ان ائمہ پر محمول کرنا بھی شیعوں کے اس فرقہ کی بناوٹ ہے جو ان کی کم عقلی اور جہالت کا کرشمہ ہے۔

تو ریت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ ہی مرقوم ہے کہ ان کی نسل میں سے بارہ بڑے شخص ہوں گے اس سے مراد بھی یہی مسلمانوں کے بارہ قریشی بادشاہ ہیں لیکن جو یہودی مسلمان ہوئے تھے وہ اپنے اسلام میں کچے اور جاہل بھی تھے انہوں نے شیعوں کے کان میں کہیں یہ صورت پھونک دیا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے مراد ان کے بارہ امام ہیں ورنہ حدیثیں اس کے واضح خلاف موجود ہیں۔

فِيمَا نَقُضُهُمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعْنُهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾

پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیئے کہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں۔ جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے ان کی ایک ناپاک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہو۔

بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

(آیت: ۱۳) اب اس عہد و پیمان کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے لیا تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے رہیں زکوٰۃ دیتے رہیں اللہ کے رسولوں کی تصدیق کریں ان کی نصرت و اعانت کریں اور اللہ کی مرضی کے کاموں میں اپنا مال خرچ کریں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ کی مدد و نصرت ان کے ساتھ رہے گی ان کے گناہ معاف ہوں گے اور یہ جنتوں میں داخل کئے جائیں گے، مقصود حاصل ہوگا اور خوف زائل ہوگا لیکن اگر وہ اس عہد و پیمان کے بعد پھر گئے اور اسے غیر معروف کر دیا تو یقیناً وہ حق سے دور ہو جائیں گے بھٹک اور بہک جائیں گے چنانچہ یہی ہوا کہ انہوں نے ميثاق تو زید و وعدہ خلافت کی تو ان پر اللہ کی لعنت نازل ہوئی ہدایت سے دور ہو گئے ان کے دل سخت ہو گئے اور عفو و پند سے مستفید نہ ہو سکے سمجھ بگڑ گئی اللہ کی باتوں میں ہیر پھیر کرنے لگے باطل تاویلیں گھڑنے لگے جو مراد حقیقی تھی اس سے کلام اللہ کو پھیر کر اور یہی مطلب سمجھنے سمجھانے لگے اللہ کا نام لے کر وہ مسائل بیان کرنے لگے جو اللہ کے بتائے ہوئے نہ تھے یہاں تک کہ اللہ کی کتاب ان

کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی وہ اس سے بے عمل بنی نہیں بلکہ بے رغبت ہو گئے۔ دین کی اصل جب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی پھر فروعی عمل کیسے قبول ہوتے؟ عمل چھوٹ جانے کی وجہ سے نہ تو دل ٹھیک رہے نہ فطرت اچھی رہی۔ نہ خلوص و اخلاص رہا، غفاری اور مکاری کو اپنا شیوہ بنالیا۔ نت نئے جال بنی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بنتے رہے۔

پھر نبی ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے چشم پوشی کیجئے، یہی معاملہ ان کے ساتھ اچھا ہے جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو تجھ سے اللہ کے فرمان کے خلاف سلوک کرے تو اس سے حکم الہی کی بجا آوری کے ماتحت سلوک کر۔ اس میں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ ممکن ہے ان کے دل کھج آئیں ہدایت نصیب ہو جائے اور حق کی طرف آجائیں۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یعنی دوسروں کی بدسلوکی سے چشم پوشی کر کے خود نیک سلوک کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ”درگزر کرنے کا حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہے۔“

جوانے آپ کو نصرانی کہتے ہیں ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا۔ انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھی ان کے آپس میں بغض و عداوت ڈال دی جو تاقیامت رہے گی اور جو کچھ یہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ انہیں سب جتادے گا ○ اے اہل کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی اکثر وہ باتیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے اور اکثر درگزر کرتا رہتا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے ○ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے ○

(آیت: ۱۳) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ”ان نصرانیوں سے بھی ہم نے وعدہ لیا تھا کہ جو رسول آئے گا، یہ اس پر ایمان لائیں گے اس کی مدد کریں گے اور اس کی باتیں مانیں گے۔ لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بدعہدی کی جس کی سزا میں ہم نے ان میں آپس میں عداوت ڈال دی جو قیامت تک جاری رہے گی۔ ان میں فرقے فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کو کافر و ملعون کہتے ہیں اور اپنے عبادت خانوں میں بھی نہیں آنے دیتے، ملکیہ فرقہ، یقوہیہ فرقے کو، یقوہیہ ملکیہ کو کٹے بندوں کا فر کہتے ہیں اسی طرح دوسرے تمام

فرمے بھی انہیں ان کے اعمال کی پوری سمجھ مغرب ہوگی۔ انہوں نے بھی اللہ کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے اور اللہ پر تہمتیں لگائی ہیں۔ اس پر بیوی اور اولاد والا ہونے کا بہتان باندھا ہے یہ قیامت کے دن بری طرح پکڑے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ واحد و احد فرد الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد ہے۔

علی بدویاتی: ☆ ☆ (آیت: ۱۵-۱۶) فرماتا ہے کہ رب العلی نے اپنے عالی قدر رسول حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف بھیج دیا ہے معجزے اور روشن دلیلیں انہیں عطا فرمائی ہیں۔ جو باتیں یہود و نصاریٰ نے بدل ڈالی تھیں، تاویلیں کر کے دوسرے مطلب بنائے تھے اور اللہ کی ذات پر بہتان باندھتے تھے، کتاب اللہ کے جو حصے اپنے نفس کے خلاف پاتے تھے انہیں چھپا لیتے تھے، ان سب علمی بدیہاتوں کو یہ رسولؐ بے نقاب کرتے ہیں۔ ہاں جس کے بیان کی ضرورت ہی نہ ہو، بیان نہیں فرماتے۔ مستدرک حاکم میں ہے ”جس نے رجم کے مسئلہ کا انکار کیا اس نے بے عملی سے قرآن سے انکار کیا“ چنانچہ اس آیت میں اسی رجم کے چھپانے کا ذکر ہے۔

پھر قرآن عظیم کی بابت فرماتا ہے کہ اسی نے اس نبی کریمؐ پر اپنی یہ کتاب اتاری ہے جو جو یائے حق کو سلامتی کی راہ بتاتی ہے، لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے اور راہ مستقیم کی رہبر ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے اللہ کے انعاموں کو حاصل کر لینا اور اس کی سزاؤں سے بچ جانا بالکل آسان ہو گیا ہے۔ یہ ضلالت کو مٹا دینے والی اور ہدایت کو واضح کرنے والی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ
قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ
الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَآمَنَهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ
مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک مسیح بن مریم اللہ ہی ہے، تو ان سے کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دیتا چاہے تو کون ہے جو اللہ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کا کل ملک اللہ ہی کا ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

اللہ وحدہ لا شریک ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۷) اللہ تبارک و تعالیٰ میسائیوں کے کفر کو بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی مخلوق کو الوہیت کا درجہ دے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے تمام چیزیں اس کی مخلوق اور مقدر ہیں۔ ہر چیز پر اس کی حکومت اور ملکیت ہے۔ کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے۔ کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرات کر سکے۔ وہ اگر مسیح کو ان کی والدہ کو اور روئے زمین کی تمام مخلوق کو نیست و نابود کر دینا چاہے تو بھی کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آڑے آئے، اسے روک سکے۔ تمام موجودات اور مخلوقات کا موجد و خالق وہی ہے۔ سب کا مالک اور سب کا حکمران وہی ہے جو چاہے کر گزرے کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔ اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے اس کی عظمت و عزت بہت بلند ہے۔ وہ عادل و غالب ہے۔ جسے جس طرح چاہتا ہے بناتا بگاڑتا ہے۔ اس کی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں۔

نہرا نیوں کی تردید کے بعد اب یہودیوں اور نہرا نیوں دونوں کی تردید ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ پر ایک جھوٹ یہ باندھا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور وہ اللہ کے لاڈلے فرزند ہیں۔ اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کو کہا ہے اَنْتَ اِبْنِيْ بکری پھر تاویل میں کر کے مطلب الٹ پلٹ کر کے کہتے کہ جب وہ اللہ کے بیٹے ہوئے تو ہم بھی اللہ کے بیٹے اور عزیز ہوئے حالانکہ خود انہی میں سے جو عقلمند اور صاحب دین تھے وہ انہیں سمجھاتے تھے کہ ان لفظوں سے صرف بزرگی ثابت ہوتی ہے قرابت داری نہیں۔ اسی معنی کی آیت نہرائی اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا اِنِّیْ ذَاہِبٌ اِلَیْ اَبِیْ وَ اَبْنِیْکُمْ اس سے مراد بھی سگا باپ نہ تھا بلکہ ان کے اپنے محاررے میں اللہ کے لئے یہ لفظ بھی آتا تھا۔ پس مطلب اس کا یہ ہے کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی طرف جا رہا ہوں اور عمارت کا مفہوم واضح بتا رہا ہے کہ یہاں اس آیت میں جو نسبت حضرت عیسیٰ کی طرف ہے وہی نسبت ان کی تمام امت کی طرف ہے لیکن وہ لوگ اپنے باطل عقیدے میں حضرت عیسیٰ کو اللہ سے جو نسبت دیتے ہیں اس نسبت کا اپنے اوپر اطلاق نہیں مانتے۔ پس یہ لفظ صرف عزت و وقعت کے لئے تھا نہ کہ کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تمہارے کفر و کذب بہتان و افتراء پر اللہ تمہیں سزا کیوں کرتا ہے؟ کسی صوفی نے کسی فقیہ سے دریافت فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ بھی کہیں ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرتا؟ اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو صوفی نے یہی آیت تلاوت فرمادی۔ یہ قول نہایت عمدہ ہے اور اسی کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ راہ سے گزر رہے تھے۔ ایک چھوٹا سا بچہ راستہ میں کھیل رہا تھا اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی راہ آ رہی ہے تو اسے ڈر لگا کہ بچہ روندانہ جائے میرا بچہ میرا بچہ کتنی ہوئی دوڑی ہوئی آئی اور جھٹ سے بچے کو گود میں اٹھا لیا اس پر صحابہ نے کہا ”حضور یہ غور تو اپنے پیارے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی“ آپ نے فرمایا ”ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائے گا۔“

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَ النَّصْرَى نَحْنُ اَبْنَاؤُ اللّٰهِ وَ اَحِبَّاؤُهُ
قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوبِکُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقُ
يَغْفِرْ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يُعَذِّبْ مَنْ يَشَاءُ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس دوست کے ہیں تو کہہ دو کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث اللہ تعالیٰ کیوں سزا دیتا ہے؟ انہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو اور وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○

(آیت: ۱۸) یہودیوں کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم بھی منجملہ اور مخلوق کے ایک انسان ہو۔ تمہیں دوسروں پر کوئی فوقیت و فضیلت نہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں پر حاکم ہے اور وہی ان میں سچے فیصلے کرنے والا ہے وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے پکڑے وہ جو چاہے کر گزرتا ہے اس کا کوئی حاکم نہیں اسے کوئی روک نہیں کر سکتا۔ وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوق سب اس کی ملکیت ہے اس کے زیر اثر ہے اس کی بادشاہت تلے ہے سب کا لوٹنا اسی کی طرف ہے وہی بندوں کے فیصلے کرے گا

وہ ظالم نہیں عادل ہے، نیکوں کو نیکی اور بدوں کو بدی دے گا۔ نعمان بن آصہ، بحر بن عمرو، شاس بن عدی جو یہودیوں کے بڑے بھاری علماء تھے، حضورؐ کے پاس آئے۔ آپؐ نے انہیں سمجھایا بجھایا۔ آخرت کے عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے: سنئے حضرت آپؐ ہمیں ڈرارہے ہیں! ہم تو اللہ کے بیچے اور اس کے پیارے ہیں۔ یہی نصرائی بھی کہتے تھے۔ پس یہ آیت اتری۔ ان لوگوں نے ایک بات یہ بھی گھڑ کر مشہور کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرائیلؑ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تیرا پہلا ننھا بیٹا میری اولاد میں سے ہے۔ اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی! اس مدت میں آگ انہیں پاک کر دے گی اور ان کی خطاؤں کو کھاجائے گی! پھر ایک فرشتہ منادی کرے گا کہ اسرائیلؑ کی اولاد میں سے جو بھی غنہ شدہ ہوں وہ نکل آئیں! یہی معنی ہیں ان کے اس قول کے جو قرآن میں مروی ہے کہ وہ کہتے تھے ہمیں گنتی کے چند ہی دن جہنم میں رہنا پڑے گا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ
مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا
نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اے اہل کتاب! بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کی تاخیر کے زمانہ میں آ پہنچا جو تمہارے پاس صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات ندرہ جائے کہ تمہارے پاس تو کوئی بھلائی برائی سنانے والا آیا نہیں۔ پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا! اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

محمد ﷺ مطلقاً خاتم الانبیاء ہیں: ☆ ☆ (آیت: ۱۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے جس کے بعد کوئی نبی رسول آنے والا نہیں! یہ سب کے بعد ہیں! دیکھ لو حضرت عیسیٰؑ کے بعد سے لے کر اب تک کوئی رسول نہیں آیا! فترت کی اس لمبی مدت کے بعد یہ رسول آئے۔ بعض کہتے ہیں یہ مدت چھ سو سال کی تھی۔

بعض کہتے ہیں ساڑھے پانچ سو برس کی! بعض کہتے ہیں پانچ سو چالیس برس کی! کوئی کہتا ہے چار سو کچھ اوپر تیس برس کی۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہمارے نبی ﷺ کے ہجرت کرنے کے درمیان نو سو تینتیس سال کا فاصلہ تھا۔ لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے یعنی چھ سو سال کا! بعض کہتے ہیں چھ سو بیس سال کا۔ فاصلہ تھا۔ ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ پہلا قول شکی حساب ہو اور دوسرا قمری حساب سے ہو اور اس گنتی میں ہر تین سو سال میں تقریباً آٹھ کافر کی پڑ جاتا ہے۔ اسی لئے اہل کھف کے قصے میں ہے وَلَبِئْسَ مَا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تَسْعَاةً لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو برس اور زیادہ کئے۔

پس شکی حساب سے اہل کتاب کو جو مدت ان کی غار کی معلوم تھی وہ تین سو سال کی تھی! نو بڑھا کر قمری حساب پورا ہو گیا! آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام سے لے کر جو نبی اسرائیلؑ کے آخری نبی تھے! حضرت محمد ﷺ تک جو اہل الاطلاق خاتم الانبیاء تھے! فترۃ کا زمانہ تھا! یعنی درمیان میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں! حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام سے بہ نسبت اور لوگوں کے میں زیادہ ادنیٰ ہوں! اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو خیال کرتے ہیں کہ

ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی ایک نئی گزری ہے، جن کا نام خالد بن سنان تھا۔ جیسے کہ قضایہ وغیرہ نے حکایت کی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ خاتم الانبیاء عجب اللہ ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لاتے ہیں جبکہ رسولوں کی تعلیم مٹ چکی ہے، ان کی راہیں بے نشان ہو چکی ہیں، دنیا کو حید کو بھلا چکی ہے، جگہ جگہ مخلوق پرستی پوری ہے، سورج، چاند، آگ کی پوجا کی جارہی ہے، اللہ کا دین بدل چکا ہے، کفر کی تاریکی نور دین پر چھا چکی ہے، دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور فطیانی سے بھر گیا ہے، عدل و انصاف بلکہ انسانیت بھی فنا ہو چکی ہے، جہالت و قسوت کا دور دورہ ہے، بجز چند نفوس کے اللہ کا نام لیا از میں نہیں رہا، پس معلوم ہوا کہ آپ کی جلالت و عزت اللہ کے پاس بہت بڑی تھی اور آپ نے جو رسالت کی ذمہ داری ادا کی وہ کوئی معمولی نہ تھی، صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا ”مجھے میرے رب کا حکم ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں، جن سے تم ناواقف ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آج ہی بتائی ہیں، فرمایا ہے، میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عنایت فرمایا ہے وہ ان کے لئے حلال کیا ہے میں نے اپنے سب بندوں کو موصود پیدا کیا ہے لیکن پھر شیطان ان کے پاس آتا ہے اور انہیں بہکا تا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ باوجود دلیل نہ ہونے کے شرک کریں۔ سنو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور تمام عرب و عجم کو نا پسند فرمایا، بجز ان چند بقایا بنی اسرائیل کے (جو حید پر قائم ہیں) پھر (مجھ سے) فرمایا، میں نے تجھے اسی لئے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ تیری آزمائش کروں اور تیری وجہ سے اردوں کی بھی آزمائش کرلوں۔ میں نے تجھ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا جسے توستے جاگتے پڑھتا ہے۔ پھر مجھے میرے رب نے حکم دیا کہ میں قریشیوں میں پیغام الہی پہنچاؤں۔ میں نے کہا، یارب یہ تو میرا سرکل کر روٹی جیسا بنا دیں گے، پروردگار نے فرمایا۔ تو انہیں نکال، جیسے انہوں نے تجھے نکالا۔ تو ان سے جہاد کر، تیری امداد کی جائے گی۔ تو ان پر خرچ کر، تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو ان کے مقابلے پر لشکر بھیج۔ ہم اس سے پانچ گنا لشکر اور بھیجیں گے۔ اپنے فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں سے جنگ کر۔ جنتی لوگ تین قسم کے ہیں۔ بادشاہ عادل، توفیق خیر والا، صدقہ خیرات کرنے والا اور باوجود مغفل ہونے کے حرام سے بچنے والا، حالانکہ اہل و عیال بھی ہے اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں، وہ سفلے لوگ جو بے دین، خوشامد خورے اور ماتحت ہیں، جن کی آل اولاد دھن دولت ہے اور وہ خائن لوگ جن کے دانت چھوٹی سی چھوٹی چیز پر بھی ہوتے ہیں اور حقیر چیزوں میں بھی خیانت سے نہیں چوکتے اور وہ لوگ جو صبح و شام لوگوں کو ان کے اہل و مال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں اور بخیل ہیں۔ فرمایا کذاب اور مضطرب یعنی بدگو۔ یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت سچا دین دنیا میں نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے لوگوں کو اندھیروں سے اور گمراہوں سے نکال کر اجالے میں اور راہ راست پر لا کھڑا کیا اور انہیں روشن و ظاہر شریعت عطا فرمائی۔ اس لئے کہ لوگوں کا عذر نہ رہے۔ انہیں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا، ہمیں نہ تو کسی نے کوئی خوشخبری سنائی نہ دھمکایا دیا۔ پس کامل قدرتوں والے اللہ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیج دیا وہ اپنے فرمانبرداروں کو ثواب دینے پر اور نافرمانوں کو عذاب کرنے پر قادر ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا ۖ وَآثَرَكُمْ مَا لَمْ
يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ يُقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ

الْمُقَدَّسَةِ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى
 أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿۲۹﴾ قَالُوا لَيُمَوِّسِنَا رَبُّ فِيهَا
 قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَنَ نَدْخُلُهَا حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن
 يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دُخِلُونَا ﴿۳۰﴾

یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنادیا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں سے کسی کو نہیں دیا ○ اے میری قوم! واللہ! اس مقدس زمین میں جاؤ جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جاؤ ○ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ! وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں۔ اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے ○

تسلسل انبیاء نسل انسانی پہ اللہ کی رحمت ہے: ☆ ☆ (آیت: ۲۹-۳۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی جو نعمتیں یاد دلایا کہ اس کی اطاعت کی طرف مائل کیا تھا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ فرمایا 'لوگو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے ایک کے بعد ایک نبی تم میں تم ہی سے بھیجا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد سے انہی کی نسل میں نبوت رہی۔ یہ سب انبیاء علیہم السلام تمہیں دعوت تو حید و اتباع دیتے رہے۔ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ روح اللہ پر ختم ہوا۔ پھر خاتم الانبیاء والہ الرسل حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کا ملکہ عطا ہوئی، آپ حضرت اسماعیل کے واسطے سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے جو اپنے سے پہلے کے تمام رسولوں اور نبیوں سے افضل تھے۔ اللہ آپ پر درود و سلام نازل فرمائے اور تمہیں اس نے بادشاہ بنادیا یعنی خادم دیئے۔ بیویاں دیں، گھر باریادیا اور اس وقت جتنے لوگ تھے ان سب سے زیادہ نعمتیں تمہیں عطا فرمائیں۔ یہ لوگ اتنا پانے کے بعد بادشاہ کہلانے لگتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں فقرا مہاجرین میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا 'تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ گھر بھی ہے؟ کہا ہاں' کہا پھر تو خوشی ہے اس نے کہا یوں تو میرا خادم بھی ہے آپ نے فرمایا پھر تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔

حسن بھری فرماتے ہیں 'سواری اور خادم ملک ہے'۔ بنو اسرائیل ایسے لوگوں کو ملک کہا کرتے تھے۔ بقول قتادہ خادموں کا اول اول رواج ان بنی اسرائیلیوں نے ہی دیا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان لوگوں میں جس کے پاس خادم سواری اور بیوی ہو وہ بادشاہ کہا جاتا تھا۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے 'جس کا گھر ہو اور خادم ہو وہ بادشاہ ہے۔ یہ حدیث مرسل اور غریب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے 'جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا جسم صبح سالم ہو اس کا نفس امن و امان میں ہو دن بھر کفایت کرے اس کے لئے اتنا مال بھی ہو تو اس کے لئے گویا کل دنیا سٹ کر آگئی'۔ اس وقت جو یونانی قبیلہ وغیرہ تھے ان سے یہ اشرف و افضل مانے گئے تھے۔ اور آیت میں ہے ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب، حکم، نبوت، پاکیزہ روزیاں اور سب پر فضیلت دی تھی۔ حضرت موسیٰ سے جب انہوں نے مشرکوں کی دیکھا دیکھی اللہ بنانے کو کہا اس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے اللہ کے فضل بیان کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا کہ اس نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے۔ مطلب سب جگہ یہی ہے کہ اس وقت کے تمام لوگوں پر کیونکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہ امت ان سے افضل ہے۔ کیا شرعی حیثیت سے کیا احکامی حیثیت سے کیا نبوت کی حیثیت سے کیا بادشاہت، عزت، مملکت، دولت، حشمت، مال اولاد وغیرہ کی حیثیت سے۔ خود قرآن فرماتا ہے خَيْرُ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ اور فرمایا وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً وَسَطًا وسطا الخ، یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو اسرائیل کے ساتھ اس فضیلت میں امت محمدیٰ کو بھی شامل کر کے خطاب کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض امور میں انہیں فی الواقع علی الاطلاق فضیلت دی گئی تھی جیسے من و

سلوئی کا ارتنا بادلوں سے سایہ مہیا کرنا وغیرہ جو خلاف عادت چیزیں تھیں۔ یہ قول اکثر مفسرین کا ہے جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مراد اس سے ان کے اپنے زمانے والوں پر انہیں فضیلت دیا جانا ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَانْكُمُ غُلْبُونَ ۚ وَ عَلَى اللَّهِ فَتْوَكُلُّوْا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ قَالَُوا يَمُوسَى إِنَّا لَنَبْذُلُهُمَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَادْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ۝

ہاں اگر وہ ہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم پر خوشی چلے جائیں گے۔ دو شخصوں نے جو اللہ ترس لوگوں میں سے تھے جن پر اللہ کا فضل تھا کہا کہ تم ان کے پاس دروازہ میں تو پہنچ جاؤ دروازے میں قدم رکھتے ہی یہاں تم غالب آ جاؤ گے۔ تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ○ قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ جب تک وہ وہاں ہیں جب تک تو ہم برگز وہاں جائیں گے ہی نہیں۔ تو آپ اور تیرا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑاؤ ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں ○

(آیت: ۲۳-۲۴) پھر بیان ہوتا ہے کہ بیت المقدس دراصل ان کے دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں انہی کے قبضے میں تھا اور جب وہ مع اپنے اہل و عیال کے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر چلے گئے تو یہاں عمالہ قوم اس پر قبضہ جمائی تھی وہ بڑے مضبوط ہاتھ پیروں کی تھی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے جہاد کرو۔ اللہ تمہیں ان پر غالب کرے گا اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا لیکن یہ نامردی دکھاتے ہیں اور بزدلی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اس کی سزا میں انہیں چالیس سال تک وادیِ حبشہ میں حیران و سرگرداں خانہ بدوشی میں رہنا پڑتا ہے۔ مقدسہ سے مراد پاک ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ وادی طور اور اس کے پاس کی زمین کا ذکر ہے۔ ایک روایت میں اریحا کا ذکر ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ نہ تو اریحا عمارت کا فتح کرنا مقصود تھا نہ وہ ان کے راستے میں تھا کیونکہ وہ فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر کے شہروں سے آرہے تھے اور بیت المقدس جا رہے تھے یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشہور شہر جو طور کی طرف بیت المقدس کے مشرقی رخ پر تھا ”اللہ نے اسے تمہارے لئے لکھ دیا ہے“ مطلب یہ ہے کہ تمہارے باپ اسرائیل سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری اولاد کے با ایمان لوگوں کے ورثے میں آئے گا ”تم اپنی بیٹیوں پر مرتد نہ ہو جاؤ۔ یعنی جہاد سے منہ پھیر کر تھک کر نہ بیٹھ جاؤ“ ورنہ زبردست نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ جس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ جس شہر میں جانے اور جن شہریوں سے جہاد کرنے کے لئے آپ فرما رہے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ وہ بڑے قوی طاقتور اور جنگجو ہیں ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ ہم اس شہر میں نہیں جا سکتے ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں تو ہم چلے جائیں گے ورنہ آپ کے حکم کی تعمیل ہماری طاقت سے باہر ہے۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اریحا کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے بارہ جاسوس مقرر کئے بنو اسرائیل کے ہر قبیلے میں سے ایک جاسوس لیا اور انہیں اریحا میں بھیجا کہ صحیح خبریں لے آئیں۔ یہ لوگ جب گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوفزدہ ہو گئے۔ ایک باغ میں یہ سب کے سب تھے اتفاقاً باغ والا پھل توڑنے کے لئے آ گیا وہ پھل توڑتا ہوا ان کے قدموں کے نشان دھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بھی پھلوں کے ساتھ ہی اپنی گٹھڑی میں باندھ لیا اور جا کر بادشاہ کے سامنے باغ کے پھل کی گٹھڑی کھول کر ڈال

دی، جس میں یہ سب کے سب تھے بادشاہ نے انہیں کہا اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو گیا ہے، تمہیں قتل نہیں کرتا۔ جاؤ اوراپس جاؤ اور اپنے لوگوں سے ہماری قوت بیان کر دو۔ چنانچہ انہوں نے جا کر سب حال بیان کیا جس سے بنو اسرائیل رعب میں آ گئے۔ لیکن اس کی اسناد ٹھیک نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان بارہ لوگوں کو ایک شخص نے پکڑ لیا اور اپنی چادر میں گھڑی بانہہ کر نہر میں لے گیا اور لوگوں کے سامنے انہیں ڈال دیا، انہوں نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا کہ ہم موسیٰ کی قوم کے لوگ ہیں، ہم تمہاری خبریں لینے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے ایک انگور ان کو دیا جو ایک شخص کو کافی تھا اور کہا جاؤ ان سے کہہ دو کہ یہ ہمارے میوے ہیں۔ انہوں نے واپس جا کر قوم سے سب حال کہہ دیا، اب حضرت موسیٰ نے انہیں جہاد کا اور اس شہر میں جانے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا اللہ جا سیں اور اڑیں۔ ہم تو یہاں سے ہلنے کے بھی نہیں۔

حضرت انسؓ نے ایک بانس لے کر ناپا جو پچاس یا پچھن ہاتھ کا تھا پھر اسے گاڑ کر فرمایا ”ان عمالیک کے قد اس قدر لائے تھے۔“ مفسرین نے یہاں پر اسرائیل روایتیں بہت سی بیان کی ہیں کہ یہ لوگ اس قدر قوی تھے اتنے موٹے اور اتنے لمبے قد کے تھے انہی میں عوج بن عقیق بن آدم تھا جس کا قد لہسائی میں تین ہزار تین سو تینتیس (3333) گز کا تھا اور چوڑائی اس کے جسم کی تین گز کی تھی لیکن یہ سب باتیں واهی ہیں، ان کے تو ذکر سے بھی حیا مانع ہے، پھر یہ صحیح حدیث کے خلاف بھی ہیں۔ حضورؐ نے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساتھ ہاتھ پیدا کیا تھا، پھر سے آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے۔ ان اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ عوج بن عقیق کا فر تھا اور ولد الزنا تھا۔ یہ طوفان نوح میں تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں نہ بیٹھا تھا تاہم پانی اس کے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچا تھا۔ یہ شخص لغو اور بالکل جھوٹ ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے قرآن کریم میں نوح علیہ السلام کی دعایہ مذکور ہے کہ زمین پر ایک کا فر بھی نہ بچنا چاہئے، یہ دعا قبول ہوئی اور یہی ہوا بھی قرآن فرماتا ہے ”ہم نے نوح کو اور ان کی کشتی والوں کو نجات دی، پھر باقی کے سب کافروں کو خرق کر دیا۔“ خود قرآن میں ہے کہ آج کے دن بجز ان لوگوں کے جن پر رحمت حق ہے، کوئی بھی بچنے کا نہیں۔ تعجب سا تعجب ہے کہ نوح علیہ السلام کا لڑکا بھی جو ایماندار نہ تھا، نبیؐ نے اس کے عیون بن عقیق کا فر ولد الزنا بنی رہے۔ یہ بالکل عقل و نقل کے خلاف ہے بلکہ ہم تو سرے سے اس کے بھی قائل نہیں کہ عوج بن عقیق نامی کوئی شخص تھا۔ واللہ اعلم۔

بنی اسرائیل جب اپنے نبیؐ کو نہیں مانتے بلکہ ان کے سامنے سخت کلامی اور بے ادبی کرتے ہیں تو وہ شخص جن پر اللہ کا انعام و اکرام تھا وہ انہیں سمجھاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف تھا وہ ڈرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے کہیں عذاب نہ آ جائے ایک قرات میں یَخْشَوْنَ کے بدلے یُهَاثُونَ ہے اس سے مراد یہ ہے ”کہ ان دونوں بزرگوں کی قوم میں عزت و عظمت تھی۔ ایک کا نام حضرت یوش بن نون تھا دوسرے کا نام کالب بن یوفا تھا۔“ انہوں نے کہا اگر تم اللہ پر بھروسہ رکھو گے اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان دشمنوں پر غالب کر دے گا اور وہ تمہاری مدد اور تائید کرے گا اور اس شہر میں غلبے کے ساتھ پہنچ جاؤ گے۔ تم دروازے تک تو چلے چلو، یقین مانو کہ غلبہ تمہارا ہی ہے لیکن ان نامرادوں نے اپنا پہلا جواب اور مضبوط کر دیا اور کہا کہ اس جبار قوم کی موجودگی میں ہمارا ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے دیکھ کر بہت سمجھایا یہاں تک کہ ان کے سامنے بڑی عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت یوش اور حضرت کالب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور انہیں بہت کچھ ملامت کی۔ لیکن یہ بد نصیب اور اکڑ گئے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو انہوں نے پتھروں سے شہید کر دیا۔ ایک طوفان بدتمیزی شروع ہو گیا اور بے طرح مخالفت رسولؐ پر تل گئے۔ ان کے اس حال کو سامنے رکھ کر پھر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے حال کو دیکھئے کہ جب نوسو یا ایک ہزار کا فر اپنے قافلے کو بچانے

کے لئے چلے، قافلہ تو دوسرے راستے سے نکل گیا لیکن انہوں نے اپنی طاقت و قوت کے گھمنڈ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچائے بغیر واپس جانا اپنی امیدوں پر پانی پھیرنا سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو کھل ڈالنے کے ارادے سے مدینہ کا رخ کیا، ادھر حضورؐ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ بتاؤ اب کیا کرنا چاہئے؟ اللہ ان سب سے خوش رہے انہوں نے حضورؐ کے مقابلہ میں اپنے مال اپنی جانیں اور اپنے اہل و عیال سب کو بیچ سمجھا نہ کفار کے غلبہ کو دیکھنا نہ اسباب پر نظر ڈالی بلکہ حضورؐ کے فرمان پر قربان ہیں۔ سب سے پہلے حضرت صدیقؓ نے اس قسم کی گفتگو کی، پھر مہاجرین صحابہ میں سے کئی ایک نے اسی قسم کی تقریر کی۔ لیکن پھر بھی آپؐ نے فرمایا اور بھی کوئی شخص اپنا ارادہ ظاہر نہ کرنا چاہے تو کرے آپؐ کا مقصد اس سے بھی یہ تھا کہ انصار کا دلی ارادہ معلوم کریں اس لئے کہ یہ جگہ انہی کی تھی اور تعداد میں بھی یہ مہاجرین سے زیادہ تھے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ و انصار کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے شاید آپؐ کا ارادہ ہماری منشا معلوم کرنے کا ہے سنئے یا رسول اللہؐ، قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ سچا بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپؐ ہمیں سمندر کے کنارے کھڑا کر کے فرمائیں کہ اس میں کود جاؤ تو بغیر کسی پس و پیش کے اس میں کود جائیں گے آپؐ دیکھ لیں گے کہ ہم میں سے ایک بھی نہ ہوگا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے، حضورؐ آپؐ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں شوق سے لے چلے۔ آپؐ دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں آپؐ جان لیں گے کہ ہم اللہ کی ملاقات کو بیچ جانے والے لوگ ہیں آپؐ اللہ کا نام لیجئے۔ کھڑے ہو جائیے، ہمیں دیکھ کر ہماری بہادری اور استقلال کو دیکھ کر ان شاء اللہ آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہ سن کر اللہ کے رسولؐ خوش ہو گئے اور آپؐ کو انصار کی یہ باتیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئیں۔ رضی اللہ عنہم۔

ایک روایت میں ہے کہ بدر کی لڑائی کے موقع پر آپؐ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ حضرت عمرؓ نے کچھ کہا۔ پھر انصار یوں نے کہا کہ اگر آپؐ ہماری سنا چاہتے ہیں تو سنئے ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں جو کہہ دیں کہ آپؐ اور آپؐ کا اللہ جا کر لڑیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپؐ اللہ کی مدد لے کر جہاد کے لئے چلے، ہم جان و مال سے آپؐ کے ساتھ ہیں۔ حضرت مقداد انصاریؓ نے بھی کھڑے ہو کر یہی فرمایا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مقدادؓ کے اس قول سے اللہ کے رسولؐ خوش ہو گئے، انہوں نے کہا تھا کہ حضورؐ لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے کہ آپؐ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہم ہی ہم ہوں گے۔ کاش کہ کوئی ایسا موقع مجھے میسر آتا کہ میں اللہ کے رسولؐ کو اس قدر خوش کر سکتا۔ ایک روایت میں حضرت مقدادؓ کا یہ قول حدیبیہ کے دن مروی ہے جبکہ مشرکین نے آپؐ کو عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف جاتے ہوئے راستے میں روکا اور قربانی کے جانور بھی ذبح کی جگہ نہ پہنچ سکے تو آپؐ نے فرمایا میں تو اپنی قربانی کے جانور کو لے کر بیت اللہ پہنچ کر قربان کرتا چاہتا ہوں تو حضرت مقداد بن اسودؓ تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم اصحاب نبویؐ کی طرح نہیں کہ انہوں نے اپنی نبی سے کہہ دیا کہ آپؐ اور آپؐ کا اللہ جا کر لڑو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم کہتے ہیں حضورؐ آپؐ چلے۔ اللہ کی مدد آپؐ کے ساتھ ہو اور ہم سب کے سب آپؐ کے ساتھی ہیں۔ یہ سن کر اصحابؓ نے بھی اسی طرح جان نثاروں کے وعدے کرنے شروع کر دیے۔ پس اگر اس روایت میں حدیبیہ کا ذکر محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ بدر والے دن بھی آپؐ نے یہ فرمایا ہو اور حدیبیہ والے دن بھی یہی فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

قَالَ رَبِّ اِنَّيْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ فَافْرُقْ
بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵۱ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ
اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيَهُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ

الفُسْقِیْنَ

موتیٰ کہنے لگے اے اللہ مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں فیصلہ اور فرق کر دے ○ ارشاد ہوا کہ اب یہ زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے یہ خاندان بدشاد اور ہر سرگرداں بھرتے رہیں گے، سو تو ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا ○

(آیت: ۲۵-۲۶) حضرت موسیٰؑ کو اپنی امت کا یہ جواب سن کر ان پر بہت غصہ آیا اور اللہ کے سامنے ان سے اپنی بیزارگی کا اظہار کیا کہ ”رب العالمین مجھے تو اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے تو میرے اور میری قوم کے ان فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما“۔ جناب باری نے یہ دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ اب چالیس سال تک یہاں سے چائیں سکتے۔ وادی حبیہ میں حیران و سرگرداں گھومتے پھرتے رہیں گے، کسی طرح اس کی حدود سے باہر نہیں جاسکتے تھے۔ یہاں انہوں نے عجیب و غریب خلاف عادت امور دیکھے مثلاً ابراہیم کا سایہ ان پر ہوتا، من و سلا کی کا اترنا۔ ایک ٹھوس پتھر سے جوان کے ساتھ تھا، پانی کا ٹکٹا، حضرت موسیٰؑ نے اس پتھر پر ایک لکڑی ماری تو فوراً ہی اس سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے اور ہر قبیلے کی طرف ایک چشمہ بہہ نکلا۔ اس کے سوا اور بھی بہت سے معجزے بنو اسرائیل نے وہاں پر دیکھے، یہیں تو ریت اتری۔ یہیں احکام الہی نازل ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ اسی میدان میں چالیس سال تک یہ گھومتے پھرتے رہے لیکن کوئی راہ وہاں سے گزر جانے کی انہیں نہ ملی۔ ہاں ابراہیم کا سایہ ان پر کر دیا گیا اور من و سلا اتر دیا گیا۔ فتون کی مطول حدیث میں ابن عباسؓ سے یہ سب مروی ہے۔ پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہو گئی اور اس کے تین سال بعد کلیم اللہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے، پھر آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نبی بنائے گئے۔ اسی اثاء میں بہت سے بنی اسرائیل مر مر اچکے تھے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف حضرت یوشع اور کالب ہی باقی رہے تھے۔ بعض مفسرین سنۃ پر وقت تام کرتے ہیں اور اربعین سنۃ کو نصب کی حالت میں مانتے ہیں اور اس کا عامل بَنَیْہُوْنَ فِی الْاَرْضِ کو بتلاتے ہیں۔ اس چالیس سالہ مدت کے گزر جانے کے بعد جو بھی باقی تھے انہیں لے کر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نکلے اور دوسرے پہاڑ سے بھی باقی بنو اسرائیل ان کے ساتھ ہوئے اور آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد جبکہ فتح کا وقت آ پہنچا دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے، اتنے میں سورج ڈوبنے لگا اور سورج ڈوبنے کے بعد ہفتے کی تعظیم کی وجہ سے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی اس لئے اللہ کے نبی نے فرمایا ”اے سورج! تو بھی اللہ کا غلام ہے اور میں بھی اللہ کا حکم ہوں اے اللہ اسے ذرا سی دیر روک دے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے سورج رک گیا اور آپ نے دلجمعی کے ساتھ بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو کہہ دو اس شہر کے دروازے میں جمدے کرتے ہوئے جائیں اور حلیہ کہیں یعنی اللہ ہمارے گناہ معاف فرما۔ لیکن انہوں نے اللہ کے حکم کو بدل دیا۔ رانوں پر گھٹنے ہوئے اور زبان سی حیدہ فی شہرہ کہتے ہوئے شہر میں گئے۔ مزید تفصیل سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ دوسری روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس قدر مال غنیمت انہیں حاصل ہوا کہ اتنا مال کبھی انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ فرمان رب کے مطابق اسے آگ میں جلانے کے لئے آگ کے پاس لے گئے لیکن آگ نے اسے جلایا نہیں اس پر ان کے نبی حضرت یوشع نے فرمایا ”تم میں سے کسی نے اس میں سے کچھ چر لیا ہے۔ پس میرے پاس ہر قبیلے کا سردار آئے اور میرے ہاتھ پر بیعت کرے۔“ چنانچہ یونہی کیا گیا ”ایک قبیلے کے سردار کا ہاتھ اللہ کے نبی کے ہاتھ سے چپک گیا“ آپ نے فرمایا ”تیرے پاس جو بھی خیانت کی چیز ہے اسے لے آ“۔ اس نے ایک گائے کا سر سونے کا بنا ہوا پیش کیا جس کی آنکھیں یا قوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے تھے جب وہ بھی دوسرے مال کے ساتھ ڈال دیا گیا اب آگ نے اس سب مال کو جلا دیا۔ امام ابن جریرؒ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اربعین سنۃ میں فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلٰیہِ اور بنی اسرائیل کی یہ

جماعت چالیس برس تک اسی میدانِ حمیہ میں سرگرداں رہی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ لوگ نکلے اور بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس کی دلیل اگلے علماء یہود کا اجماع ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت کلیم اللہ نے ہی قتل کیا ہے۔ اگر اس کا قتل عمالیق کی اس جنگ سے پہلے کا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل جنگ عمالیق کا انکار کر بیٹھتے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ حمیہ سے چھوٹنے کے بعد کا ہے علماء یہود کا اس پر بھی اجماع ہے کہ بلعام بن باعور نے قوم عمالیق کے جباروں کی اعانت کی اور اس نے حضرت موسیٰ پر بددعا کی۔ یہ واقعہ بھی اس میدان کی قید سے چھوٹنے کے بعد کا ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے تو جباروں کو موسیٰ اور ان کی قوم سے کوئی ڈر نہ تھا۔ ابن جریر کی یہی دلیل ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور آپ کا تھمبھی دس ہاتھ کا تھا اور دس ہاتھ زمین سے اچھل کر آپ نے عوج بن عنق کو دو عصا مارا تھا جو اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا۔ اس کے جٹے سے نیل کا پل بنا دیا گیا تھا جس پر سے سال بھر تک اہل نیل آتے جاتے رہے۔ نوح بکالی کہتے ہیں کہ اس کا تخت تین گز کا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر غم ورنہ نہ کر وہ اسی جیل خانے کے مستحق ہیں۔ اس واقعہ میں درحقیقت یہودیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کا ذکر ہے اور ان کی مخالفتوں کا اور برائیوں کا بیان ہے یہ دشمنانِ رب سختی کے وقت اللہ کے دین پر قائم نہیں رہتے تھے۔ رسولوں کی پیروی سے انکار کر جاتے تھے۔ جہاد سے جی چراتے تھے اللہ کے اس کلیم و بزرگ رسول کی موجودگی کا ان کے وعدے کا ان کے حکم کا کوئی پاس انہوں نے نہیں کیا دن رات معجزے دیکھتے تھے فرعون کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی اور اسے کچھ زمانہ بھی نہ گزرا تھا اللہ کے بزرگ کلیم پیغمبر ساتھ ہیں وہ نصرت و فتح کے وعدے کر رہے ہیں مگر یہ ہیں کہ اپنی بزدلی میں مرے جا رہے ہیں اور نہ صرف انکار بلکہ ہولناکی کے ساتھ انکار کرتے ہیں نبی اللہ کی بے ادبی کرتے ہیں اور صاف جواب دیتے ہیں۔ اپنی آنکھوں کو دیکھ چکے ہیں کہ فرعون جیسے باسامان بادشاہ کو اس کے ساز و سامان اور لشکر و رعیت سمیت اس رب نے ڈوب دیا۔ لیکن پھر بھی اسی بہتہ والوں کی طرف اللہ کے بھروسے پر اس کے حکم کی ماتحتی میں نہیں بڑھتے حالانکہ یہ تو فرعون کے دسویں حصہ میں بھی نہ تھے۔ پس اللہ کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے ان کی بزدلی دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے اور آئے دن ان کی رسوائی اور ذلت بڑھتی جاتی ہے۔ گو یہ لوگ اپنے آپ کو اللہ کے محبوب جانتے تھے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ رب کی نظروں سے یہ گر گئے تھے دنیا میں ان پر طرح طرح کے عذاب آئے سورہ بدر بھی بتائے گئے لعنت ابدی میں یہاں گرفتار ہو کر عذابِ اخروی کے دائمی شکار بنائے گئے۔ پس تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس کی فرمانبرداری تمام بھلائیوں کی کنجی ہے۔

وَأَسْأَلُ عَلَيْهِمْ نَبَا ابْنِ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبِلَ
 مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ
 إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٥٧﴾ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ
 يَدَكَ لَتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لَأَقْتُلَنَّكَ
 إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٨﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ
 تَبْوَأَ بِإِشْيِ وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ

الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ
الْخَاسِرِينَ ۝ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ
كَيْفَ يُؤَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يُؤَيِّلَتْنِي أَعَجَزْتُ أَنْ
أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ
مِنَ الْدَّامِينَ ۝

آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال انہیں سنا دو۔ ان دونوں نے ایک ایک نذرانہ پیش کیا۔ ان میں سے ایک کی نذر قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ میں تو تجھے ماری ڈالوں گا اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقوے والوں کا عمل قبول کرتا ہے ○ گو تو میرے قتل کے لئے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں ○ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور دونوں بیٹوں میں شامل ہو جائے، ظالموں کا یہی بدلہ ہے ○ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا ○ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کو دور با تھا تا کہ اسے دکھا دے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے۔ وہ کہنے لگا ہائے افسوس کیا میں ایسا ہونے سے بھی گیا گزرا کہ اس کو اسے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفن دیتا۔ پھر تو بڑا اسی پوشیمان اور شرمندہ ہو گیا ○

حد و نفیض سے ممانعت: ☆ ☆ (آیت: ۲۷-۳۱) اس قصے میں حد و نفیض، کرشمہ اور تکبر کا بد انجام بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلی بیٹوں میں کشمکش ہو گئی اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بنا اور مار ڈالا گیا اور اپنا ٹھکانہ جنت میں بنا لیا اور دوسرے نے اسے ظلم و زیادتی کے ساتھ بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہان میں برباد ہوا۔ فرماتا ہے ”اے نبی! انہیں حضرت آدم کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح بے کم و کاست قصہ سنا دو۔ ان دونوں کا نام ہابیل و قابیل تھا۔ مروی ہے کہ چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی اس لئے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم کے ہاں ایک حمل سے لڑکی لڑکا دو ہوتے تھے پھر دوسرے حمل میں بھی اسی طرح تو اس حمل کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کر دیا جاتا تھا۔ ہابیل کی بہن تو خوبصورت تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کر لے۔ حضرت آدم نے اس سے منع کیا۔

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں اللہ کے نام پر کچھ نکالو۔ جس کی خیرات قبول ہو جائے اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی خیرات قبول ہو گئی پھر وہاں جس کا بیان قرآن کی ان آیتوں میں ہے۔ ”فسرین کے اقوال سنئے۔ حضرت آدم کی صلی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا بیان فرمانے کے بعد مروی ہے کہ بڑا بھائی قابیل بھتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا۔ قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب رخصتی۔ جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کر دیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا۔ حضرت آدم نے اس سے روکا۔ اب ان دونوں نے خیرات نکالی کہ جس کی قبول ہو جائے وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے۔ حضرت آدم اس وقت کے چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے فرمایا زمین پر جو میرا گھر ہے اسے جانئے ہو؟ آپ نے کہا نہیں حکم ہوا کہ میں سے تم وہیں جاؤ۔ حضرت آدم نے آسمان سے کہا کہ میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا؟ اس نے انکار کیا زمین سے کہا اس نے بھی انکار کر دیا پہاڑوں سے کہا انہوں نے بھی انکار کیا قابیل سے کہا اس نے کہا ہاں میں محافظ ہوں آپ جائیے آ کر ملاحظہ فرمائیں گے اور خوش ہوں گے اب ہابیل نے ایک

خوبصورت مونا تازہ مینڈھا اللہ کے نام پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ کے لئے نکالا آگ آئی اور ہاتیل کی نذر تو جلا گئی جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قاتیل کی نذر قبول نہ ہوئی، اس کی کھیتی یونہی رہ گئی اس نے راہ اللہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی ہالیں تو ذکر کھائی تھیں۔

چونکہ قاتیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آ سکتی اس لئے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی، اس نے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تعوی والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے اس میں میرا کیا قصور؟“ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مینڈھا جنت میں پلٹا رہا اور یہی وہ مینڈھا ہے جسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بچے کے بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہاتیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب و محبوب جانور اللہ کے نام اور خوشی کے ساتھ قربان کیا، برخلاف اس کے قاتیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بھی بے دلی سے اللہ کے نام نکالی۔ ہاتیل خود مندی اور طاقتوری میں بھی قاتیل سے زیادہ تھا تاہم اللہ کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کا ظلم و زیادتی سہہ لی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدمؑ نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ چونکہ آپ ہاتیل کو چاہتے ہیں اور آپ نے اس کے لئے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہوگئی۔ اب اس نے ٹھان لی کہ میں اس کا نئے ہی کو اکھاڑوں موقع کا منتظر تھا، ایک روز اتفاقاً حضرت ہاتیل کے آئے میں دیر لگ گئی تو انہیں بلانے کے لئے حضرت آدمؑ نے قاتیل کو بھجایا یہ ایک جھری اپنے ساتھ لے کر چلا راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی تو اس نے کہا ”میں تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی۔ اس پر ہاتیل نے کہا ”میں نے بہترین عمدہ محبوب اور مرغوب چیز اللہ کے نام نکالی اور تو نے بے کار بے جان چیز نکالی اللہ تعالیٰ اپنے مستحقوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔ اس پر وہ اور مگڑا اور جھری گھونپ دی ہاتیل کہتے رہ گئے کہ اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اللہ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بری طرح لیا جائے گا اللہ کا خوف کر مجھے قتل نہ کر لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو ماری والا قاتیل نے اپنی تو ام بہن سے اپنا ہی نکاح کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں اسی لئے میں اس کا حقدار ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ قاتیل نے گیسوں نکالے تھے اور ہاتیل نے گائے قربان کی تھی کچھ انداس وقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے اس لئے یہی دستور تھا کہ صدقہ نکال دیتے۔ آگ آسمان سے آتی اور اسے جلا جاتی یہ قبولیت کا نشان تھا اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی بڑا بھائی حسد کی آگ میں بھڑکا اور اس کے قتل کے درپے ہو گیا یونہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی۔ نکاح کے اختلاف کو مٹانے کی وجہ تھی، قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ ناراضگی کا باعث عدم قبولیت قربانی تھی نہ کچھ اور۔ ایک روایت مندرجہ رواہ جوں کے خلاف یہ بھی ہے کہ قاتیل نے کھیتی اللہ کے نام نذر دی تھی جو قبول ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راوی کا حافظہ ٹھیک نہیں اور یہ مشہور امر کے بھی خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اس سے ڈرتا رہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ”لوگ میدان قیامت میں ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیزگار کہاں ہیں؟ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہو جائیں گے اور اللہ کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ نہ ان سے رنج پوشی کرے گا نہ پرہ۔ راوی حدیث ابو عیسیٰ سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا ”وہ جو شرک اور بت پرستی سے بچے اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سن کر اس سے کہتا ہے کہ تو جو چاہے کر میں تو تیری طرح نہیں کروں گا بلکہ میں مبر و مضطرب کروں گا“ جتنے تو زور و طاقت میں یہ اس سے زیادہ مگر اپنی بھلائی نیک بختی اور تواضع و فروتنی اور پرہیزگاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو مگر پرا مادہ ہو جائے لیکن

مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہو سکتا" میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں وہ تمام جہان کا رب ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ "جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں" صحابہؓ نے پوچھا، قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپؐ نے فرمایا، اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت جبکہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو گھیر رکھا تھا کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "عنقریب قتلہ پر پا ہوگا" بیٹھا رہے والا اس وقت کھڑے رہنے والے سے اچھا ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا" کسی نے پوچھا "حضور اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے۔ آپؐ نے فرمایا، پھر بھی تو آدم کے بیٹے کی طرح ہو جا۔

ایک روایت میں آپ کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ حضرت ایوب سختیانیؓ فرماتے ہیں اس امت میں سے سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا وہ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ "ایک مرتبہ ایک جانور پر حضورؐ سوار تھے اور آپ کے ساتھ ہی آپ کے پیچھے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا، ابوذر بتاؤ جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ جا سکیں گے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا، جو حکم رب اور رسولؐ ہو فرمایا صبر کر ڈھکھریا جگہ آپس میں خونریزی ہوگی یہاں تک کہ ریت کے تھر تھر خون میں ڈوب جائیں تو تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی جواب دیا، تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کر لے۔ کہا پھر اگر چہ میں نہ میدان میں اتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا جن کا تو ہے اور وہ ہیں رہ۔ عرض کیا کہ میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لے لوں؟ فرمایا، پھر تو بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو جائے گا بلکہ اگر تجھے کسی کی تلوار کی شعائیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے تاکہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لے جائے۔

حضرت ربیعؓ فرماتے ہیں ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے میں تھے، ایک صاحب نے کہا، میں نے مرحوم سے سنا ہے، آپ رسول اللہ ﷺ کی سنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے سب سے دور دراز گھر میں چلا جاؤں گا اور اسے بند کر کے بیٹھ جاؤں گا، اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے گا تو میں کہہ دوں گا کہ لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لے پس میں حضرت آدم کے ان دو بیٹوں میں سے جو بہتر تھا، اس کی طرح ہو جاؤں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر رکھ لے جائے یعنی تیرے وہ گناہ جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی، یہ مطلب بھی حضرت مجاہدؓ سے مروی ہے کہ میری خطا میں بھی تجھ پر آ پڑیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔ لیکن انہی سے ایک قول پہلے جیسا بھی مروی ہے، ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہ ہو۔ اسی بناء پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اوپر بار کر لیتا ہے اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔

بزار میں ایک حدیث ہے کہ بے سب کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں تاہم یہ بھی صحیح نہیں اور اس روایت کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذا کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے اب وہ قاتل پر آ جاتے ہیں۔ یہ بات ثابت نہیں، ممکن ہے بعض قاتل ویسے بھی ہوں۔ قاتل کو میدان قیامت میں مقتول ڈھونڈتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لے جائے گا اور سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی عطا نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دیئے جائیں گے یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ سارے ہی گناہ بعض قاتلوں کے سر پر جائیں کیونکہ ظلم کے اس طرح کے بدلے لئے جانے احادیث سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑھ کر ظلم ہے اور سب سے بدتر۔ واللہ اعلم۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں: مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے جائے تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آجائیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا سزا ملتی ہے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈال دیئے جائیں، اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر ہاتھیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور ڈرایا اور خوفزدہ کیا کہ اس کا م سے باز آ جا، ورنہ گناہ گلد ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے ہی کا نہیں، سارا بوجھ تجھ ہی پر ہوگا اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اس نصیحت کے باوجود اس کے نفس نے اسے دھوکہ دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آ کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا، اسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کر لی اور لوہے سے مار ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلے گئے تھے یہ دھونڈتا ہوا دھاہاں پہنچا اور ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا۔ یہ اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں، مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر، گلا دبا دبا کر ان کی جان لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اسے دوسرا پتھر زور سے دے مارا جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا۔ یہ دیکھ کر اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا، اس لئے قاتل اپنے بھائی کو گر کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا، کبھی اسے تھپڑ اور گھونٹے مارتا۔ یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ پتھر لے کر اس کا سر کچل ڈال۔ جب اس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت عوا کے پاس آیا اور کہا، قاتل نے ہاتھیل کو قتل کر دیا۔ انہوں نے پوچھا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ دھکاتا پیتا ہے نہ بولتا چلاتا ہے نہ ہلتا جلتا ہے، کہا شاید موت آگئی، اس نے کہاں ہاں وہی موت، اب تو مائی صاحبہ جینے چلائے لگیں۔ اتنے میں حضرت آدم آئے، پوچھا کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب نہ دے سکے، آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرط غم و رنج کی وجہ سے ان کی زبان نہ چلی تو کہا اچھا تو تیری بیٹیاں ہائے دوائے میں ہی رہیں گی اور میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں، قاتل خسارے ٹوٹے اور نقصان والا ہو گیا، دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑیں۔

حضور فرماتے ہیں، جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے، اس کے خون کا بوجھ آدم کے اس لڑکے پر بھی پڑتا ہے، اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خون ناحق گرایا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ، قاتل کے ایک بھیر کی پنڈلی کو ران سے اس دن سے لٹکا دیا گیا اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا، اس کے گھونٹنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے۔ حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ جہنم کا آدھواں آدھ عذاب صرف اس ایک کو ہو رہا ہے۔ سب سے بڑا معذب یہی ہے۔ زمین کے ہر قتل کے گناہ کا حصہ اس کے ذمہ ہے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں، اس پر اور شیطان پر ہر خون ناحق کا بوجھ پڑتا ہے۔ جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرنے کس طرح اسے چھپائے؟ تو اللہ نے دو کوے بھیجے، وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے، یہ اس کے سامنے لڑنے لگے، یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر مٹی ڈال دی۔ یہ دیکھ کر قاتل کی سمجھ میں بھی یہ ترکب آگئی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوے کو دوسرے کوے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سال بھر تک قاتل اپنے بھائی کی لاش اپنے کندھے پر لادے لادے پھرتا رہا۔ پھر کوے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت

کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا۔ یہ بھی کہا گیا ہے مار ڈال کر پھر بچھتا یا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لئے بھی کہ سب سے پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا۔ اہل توریت کہتے ہیں کہ جب قاتل نے اپنے بھائی ہاتل کو قتل کیا تو اللہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہاتل کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے کیا خبر؟ میں اس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے تجھ پر میری لعنت ہے اس زمین میں جس کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بے گناہ بھائی کا خون پلایا ہے اب تو زمین میں جو کام کرے گا وہ انہی کہتی ہیں سے تجھے کچھ نہیں دے گی یہاں تک کہ تم زمین پر عمر بھر بے چین بھٹکتے رہو گے پھر تو قاتل بڑی ادا نام ہوا نقصان کے ساتھ ہی بچھتا و گویا عذاب پر عذاب تھا۔ اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دونوں حضرت آدم کے صلی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے اس کا ایک حصہ بوجھ اور گناہ کا حضرت آدم کے اس پہلے لڑکے پر ہوتا ہے اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے لیکن حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ”یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے۔ قربانی سب سے پہلے انہی میں آئی اور زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم کا انتقال ہوا ہے“ لیکن یہ قول غور طلب ہے اور اس کی اسناد بھی ٹھیک نہیں۔

ایک مرفوع حدیث میں یہ واقعہ بطور ایک مثال کے ہے۔ تم اس میں سے اچھائی لے لو اور برے کو چھوڑ دو یہ حدیث مرسل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس صدے سے حضرت آدم بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی۔ آخر فرشتوں نے ان کے غم کے دور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی۔ حضرت آدمؑ نے اس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئیں۔ زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بد صورت ہو گئی ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشت والے پھروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی۔ اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اس مردے کے ساتھ اس زندے نے بھی گویا اپنے آپ کو ہلاک کر دیا اور جو برائی قاتل نے کی تھی اس کا بوجھ اس پر آ گیا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کو اسی وقت سزا دی گئی چنانچہ وارد ہوا ہے اس کی پنڈلی اس کی ران سے لٹکا دی گئی اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا یعنی جدھر سورج ہوتا اودھر ہی اس کا منہ اٹھا رہتا۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد ان کی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے۔ تو قاتل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں فَاَنَّا لِلّٰہِ وَاَنَا لِلّٰہِ رَاَجِعُونَ (یہ یاد رہے کہ اس قصہ کی تفصیلات جس قدر بیان ہوئی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر حصہ اہل کتاب سے اخذ کیا ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۖ كَتَبْنَا عَلٰی بَنِي اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهُمْ قَتَلُوْا نَفْسًا
یَغْیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَانَ مَاقَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا
وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَانَ مَآ حَیَا النَّاسَ جَمِیْعًا وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رُسُلُنَا
بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اَرٰتْ كَثِیْرًا مِّنْهُمْۢ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ
لَمُسْرِقُوْنَ ۝

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد پانے والا ہو قتل کر ڈالے تو کو یا اس نے تمام لوگوں کو قتل

کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچائے اس نے گویا تمام لوگوں کو بچالیا ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے

ایک بے گناہ شخص کا قتل تمام انسانوں کا قتل ☆ ☆ ☆ (آیت: ۳۲) فرمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس لڑکے کے قتل ہے جا کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل سے صاف فرمادیا ان کی کتاب میں لکھ دیا اور ان کے لئے اس حکم کو حکم شرعی کر دیا کہ جو شخص کسی ایک کو بلا وجہ مار ڈالے نہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا نہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا۔ اس لئے کہ اللہ کے نزدیک ساری مخلوق یکساں ہے اور جو کسی بے قصور شخص کے قتل سے باز رہے اسے حرام جانے کو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ ہی دی اس لئے کہ یہ سب لوگ اس طرح سلامتی کے ساتھ رہیں گے۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب باغی گھیر لیتے ہیں تو حضرت ابو ہریرہؓ ان کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں: میں آپ کی طرف داری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے کے لئے آیا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے یہ سن کر معصوم غلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تم اس بات پر آمادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو جن میں ایک میں بھی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا نہیں نہیں۔ فرمایا سنو ایک کو قتل کرنا ایسا برا ہے جیسے سب کو قتل کرنا۔ جاؤ واپس لوٹ جاؤ میری یہی خواہش ہے اللہ تمہیں اجر دے اور گناہ نہ دے۔ یہ سن کر آپ واپس چلے گئے اور نہ لڑے مطلب یہ ہے کہ قتل کا اجر دنیا کی برہادی کا باعث ہے اور اس کی روک لوگوں کی زندگی کا سبب ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والا تمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا تمام لوگوں کے خون کو گویا بچا رہا ہے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”نیکو اور عادل مسلم بادشاہ کو قتل کرنے والے پر ساری دنیا کے انسانوں کے قتل کا گناہ ہے اور نبی اور امام عادل کے بازو کو مضبوط کرنا دنیا کو زندگی دینے کے مترادف ہے۔“ (ابن جریر)

ایک اور روایت میں ہے کہ ”ایک کو بے وجہ مار ڈالنے ہی جہنمی ہو جاتا ہے گویا سب کو مار ڈالا۔“ مجاہد فرماتے ہیں ”مومن کو بے وجہ شریک مار ڈالنے والا جہنمی دشمن رب ملعون اور مستحق سزا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مار ڈالتا تو اس سے زیادہ عذاب اسے اور کیا ہوتا؟ جو قتل سے رک جائے گویا کہ اس کی طرف سے سب کی زندگی محفوظ ہے۔“ عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ایک قتل کے بدلے ہی اس کا خون حلال ہو گیا۔ یہ نہیں کہ کئی ایک کو قتل کرے جب ہی وہ قصاص کے قاتل ہو اور جو اسے زندگی دے یعنی قاتل کے دلی سے درگزر کرے اور اس نے گویا لوگوں کو زندگی دی۔“ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس نے انسان کی جان بچائی مثلاً ڈو جتے کو نکال لیا، چلتے کو بچالیا، کسی کو ہلاکت سے ہٹالیا۔ مقصد لوگوں کو خون ناحق سے روکنا اور لوگوں کی خیر خواہی اور امن و امان پر آمادہ کرنا ہے۔ حضرت حسنؓ سے پوچھا گیا کہ کیا بنی اسرائیل جس طرح اس حکم کے مکلف تھے ہم بھی ہیں؟ فرمایا ہاں یقیناً اللہ کی قسم! کچھ بنو اسرائیل کے خون اللہ کے نزدیک ہمارے خون سے زیادہ باوقفت نہ تھے۔ پس ایک شخص کا بے سبب قتل کا بوجھ ہے اور ایک کی جان کے بچاؤ کا ثواب سب کو بچالینے کے برابر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضور مجھے کوئی ایسی بات بتائیے کہ میری زندگی با آرام گزرے۔ آپؐ نے فرمایا کیا کسی کو مار ڈالنا تمہیں پسند ہے یا کسی کو بچالینا تمہیں محبوب ہے؟ جواب دیا۔ بچالینا فرمایا ”بس اب اپنی اصلاح میں لگے رہو۔“

پھر فرماتا ہے ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلیلیں اور روشن احکام اور کلمے معجزات لے کر آئے لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ

اپنی سرکشی اور درازدستی سے باز نہ رہے۔ بنو قریظہ کے یہود و بنو قریظہ اور بنو نضیر وغیرہ کو دیکھ لیجئے کہ اوس اور خزرج جن کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور لڑائی کے بعد پھر قہریوں کے ذریعے دے کر چھڑاتے تھے اور مقتول کی دیت ادا کرتے تھے۔ جس پر انہیں قرآن میں سمجھایا کہ تم سے عہد یہ لیا گیا تھا کہ نہ تو اپنے والوں کے خون بہاؤ نہ انہیں دیس نکالا دیو لیکن تم نے باوجود پختہ اقرار اور مضبوط عہد و پیمان کے اس کے خلاف کیا۔ گو فدیہ ادا کئے لیکن نکالنا بھی تو حرام تھا۔ اس کے کیا معنی کہ کسی حکم کو مانو اور کسی سے انکار کرو ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں سخت تر عذابوں کا شکار ہوں۔ اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔

مبارکہ کے معنی حکم کے خلاف کرنا، برعکس کرنا، مخالفت پر تل جانا ہیں۔ مراد اس سے کفر، ڈاکوئی، زمین میں شورش و فساد اور طرح طرح کی بدامنی پیدا کرنا ہے یہاں تک کہ سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ (امیر وقت کے) سکے کو توڑ دینا بھی زمین میں فساد جانتا ہے۔ قرآن کی ایک اور آیت میں ہے جب وہ کسی اقتدار کے مالک ہو جاتے ہیں تو فساد پھیلا دیتے ہیں اور کھیت اور نسل کو ہلاک کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ایسا شخص ان کاموں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے یہ توبہ کر لے تو پھر اس پر کوئی مواخذہ نہیں، بخلاف اس کے اگر مسلمان ان کاموں کو کرے اور بھاگ کر کفار میں جا ملے تو مدشرعی سے آزاد نہیں ہوتا۔ ابن عباس فرماتے ہیں ”یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے۔ پھر ان میں سے جو کوئی مسلمان کے ہاتھ آ جائے سے پہلے نہ توبہ کر لے تو جو حکم اس پر اس کے فعل کے باعث ثابت ہو چکا ہے، وہ مل نہیں سکتا۔“

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي
الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَ
أَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ
فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٥٥ إِلَّا الَّذِينَ
تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
عَفُورٌ رَحِيمٌ ٥٦

ان کی سزا جو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا لٹے طور سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا انہیں حلاوت کر دیا جائے یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں تو ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے ○ ہاں جو لوگ ان سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر اختیار پاؤ تو یقیناً مانو کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش اور رحم و کرم والا ہے ○

فساد اور قتل و غارت ☆ ☆ (آیت: ۲۳-۲۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اہل کتاب کے ایک گروہ سے رسول اللہ کا معاہدہ ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اسے توڑ دیا اور فساد مچا دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں چاہیں تو اسے سیدھے ہاتھ پاؤں کٹوا دیں۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں ”یہ جروہ یہ خوارج کے بارے میں نازل ہوئی ہے“۔ صحیح یہ ہے کہ جو بھی اس فعل کا مرتکب ہو اس کے لئے یہ حکم ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ قبیلہ عک کے آٹھ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب تمہیں ملے گا چنانچہ یہ گئے اور جب ان کی بیماری

جاتی رہی تو انہوں نے ان چرواہوں کو مار ڈالا اور اونٹ لے کر چلتے بنے۔ حضورؐ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے صحابہؓ کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انہیں پکڑ لائیں چنانچہ یہ گرفتار کئے گئے اور حضورؐ کے سامنے پیش کئے گئے۔ پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں۔ اور دھوپ میں پڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ مسلم میں ہے یا تو یہ لوگ عکل کے تھے یا عرینہ کے۔ یہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہ دیا گیا نہ ان کے زخم دھوئے گئے۔ انہوں نے چوری بھی کی تھی قتل بھی کیا تھا ایمان کے بعد کفر بھی کیا تھا اور اللہ رسولؐ سے لڑتے بھی تھے۔ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں بھی پھیری تھیں مدینے کی آب و ہوا اس وقت درست نہ تھی، سرسام کی بیماری تھی۔ حضورؐ نے ان کے پیچھے بیس انصاری گھوڑ سوار بھیجے تھے اور ایک کھوجی تھا جو نشان قدم دیکھ کر ہرہری کرتا جاتا تھا۔ موت کے وقت ان کی پیاس کے مارے یہ حالت تھی کہ زمین چاٹ رہے تھے انہی کے بارے میں یہ آیت اترتی ہے۔ ایک مرتبہ حجاج نے حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ سب سے بڑی اور سب سے سخت سزا جو رسول اللہ ﷺ نے کسی کو دی ہو، تم بیان کر دو تو آپؐ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بحرین سے آئے تھے۔ بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ گئے تھے اور پیٹ بڑھ گئے تھے تو آپؐ نے انہیں فرمایا کہ جاؤ اونٹوں میں رہو اور ان کا دودھ اور پشاب پیو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ حجاج نے تو اس روایت کو اپنے مظالم کی دلیل بنالی جب تو مجھے سخت ندامت ہوئی کہ میں نے اس سے یہ حدیث کیوں بیان کی؟ اور روایت میں ہے کہ ان میں سے چار شخص تو عرینہ قلیل کے تھے اور تین عکل کے تھے یہ سب تندرست ہو گئے تو یہ مرتد بن گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ راستے بھی انہوں نے بند کر دیئے تھے اور زنا کار بھی تھے جب یہ آئے تو اب سب کے پاس بوجہ فقیری پہننے کے کپڑے تک نہ تھے۔ یہ قتل و غارت کر کے بھاگ کر اپنے شہر کو جا رہے تھے۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے پاس پہنچنے ہی والے تھے جو ہم نے انہیں جالیاں وہ پانی مانگتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اب تو پانی کے بدلے جہنم کی آگ ملے گی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا اللہ کو ناپسند آیا یہ حدیث ضعیف اور غریب ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لشکر ان مرتدوں کے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا ان کے سردار حضرت جریرؓ تھے۔ ہاں اس روایت میں یہ فقرہ بالکل منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا مکروہ رکھا۔ اس لئے کہ صحیح مسلم میں یہ موجود ہے کہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا پس یہ اس کا بدلہ اور ان کا قصاص تھا جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ وہی ان کے ساتھ کیا گیا واللہ اعلم۔

اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ بنو فزارہ کے تھے اس واقعہ کے بعد حضورؐ نے یہ سزا کسی کو نہیں دی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ کا ایک غلام تھا جس کا نام یسار تھا۔ چونکہ یہ بڑے اچھے نمازی تھے اس لئے حضورؐ نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور اپنے اونٹوں میں انہیں بھیج دیا تھا کہ یہ ان کی نگرانی رکھیں انہی کو ان مرتدوں سے نقل کیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے گاڑ کر اونٹ لے کر بھاگ گئے جو لشکر انہیں گرفتار کر کے لایا تھا ان میں ایک شاہ زور حضرت کر زبن جابرؓ تھے۔ حافظ ابو بکر بن مردہ یہ رحمتہ اللہ نے اس روایت کے تمام طریقوں کو جمع کر دیا۔ اللہ انہیں جزا سے خیر دے۔ ابو جہزہ عبد الکریمؓ سے اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپؐ ان محارمین کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ منافقانہ طور پر ایمان لائے تھے اور حضورؐ سے مدینے کی آب و ہوا کی موافقت کی شکایت کی تھی جب حضورؐ کو ان کی دعا بازی اور قتل و غارت اور ارتداد کا علم ہوا تو آپؐ نے منادی کرائی کہ اللہ کے لشکر یواٹھ کھڑے ہو۔ یہ آواز سنتے ہی مجاہدین کھڑے ہو گئے بغیر اس کے کہ کوئی کسی کا انتظار کرے۔ ان مرتدوں کو ان کے اونٹوں اور باغیوں کے پیچھے دوڑے خود حضور بھی ان کو روانہ کر کے ان کے پیچھے چلے وہ لوگ اپنی جائے امن میں پہنچے ہی تو تھے کہ صحابہؓ نے انہیں گھیر لیا اور ان میں سے جتنے گرفتار ہو گئے انہیں لے کر حضورؐ کے

سامنے پیش کر دیا اور یہ آیت اتری۔ ان کی جلا وطنی یہی تھی کہ انہیں حکومت اسلام کی حدود سے خارج کر دیا گیا۔

پھر ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں۔ اس کے بعد حضورؐ نے کسی کے بھی اعضاء بدن سے جدا نہیں کرائے بلکہ آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ جانوروں کو بھی اس طرح کرنا منع ہے۔ بعض رواؤں میں ہے کہ قتل کے بعد انہیں جلادیا گیا۔ بعض کہتے ہیں یہ یوسفؑ کے لوگ تھے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضورؐ نے جو سزا انہیں دی وہ اللہ کو پسند نہ آئی اور اس آیت سے اسے منسوخ کر دیا۔ ان کے نزدیک گویا اس آیت میں آنحضرتؐ کو اس سزا سے روکا گیا ہے۔ جیسے آیت عَفَا اللَّهُ عَنْكَ میں اور بعض کہتے ہیں کہ حضورؐ نے مثلہ کرنے سے یعنی ہاتھ پاؤں کا ناک ناک کاٹنے سے جو ممانعت فرمائی ہے اس حدیث سے یہ سزا منسوخ ہو گئی لیکن یہ ذرا غور طلب ہے۔ پھر یہ بھی سوال طلب امر ہے کہ ناسخ کی تاخیر کی دلیل کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں حدود اسلام مقرر ہوں۔ اس سے پہلے کا یہ واقعہ ہے لیکن یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا بلکہ حدود کے تقرر کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کا اسلام سورہ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں حضورؐ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنی چاہی تھیں لیکن یہ آیت اتری اور آپؐ اپنے ارادے سے باز رہے لیکن یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ بخاری و مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ حضورؐ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھردائیں۔

محمد بن عجلانؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے جو سخت سزائیں دی، اس کے انکار میں یہ آیتیں اتری ہیں اور ان میں صحیح سزائیں کی گئی ہے جو قتل کرنے اور ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنے اور وطن سے نکال دینے کے حکم پر شامل ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اس کے بعد پھر کسی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنی ثابت نہیں، لیکن اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں کہ اس آیت میں حضورؐ کے اس فعل پر آپؐ کو ڈانٹا گیا ہو۔ بات یہ ہے کہ انہوں نے جو کیا تھا اس کا وہی بدلہ لیا گیا۔ اب آیت نازل ہوئی جس نے ایک خاص حکم ایسے لوگوں کا بیان فرمایا اور اس میں آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم نہیں دیا۔

اس آیت سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی ہے کہ راستوں کی بندش کر کے لڑنا اور شہروں میں لڑنا دونوں برابر ہے کیونکہ لفظ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا کے ہیں۔ مالکؒ اوزاعیؒ لیثؒ شافعیؒ احمد رحمہم اللہ اجماع میں کہتا ہے کہ باغی لوگ خواہ شہر میں ایسا فتنہ چلائیں یا بیرون شہر ان کی سزا یہی ہے بلکہ امام مالکؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کے گھر میں اس طرح دھوکہ دے جسے مار ڈالے تو اسے چلا لیا جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا اور خود امام وقت ان کاموں کو از خود کرے گا نہ کہ مقتول کے اولیاء کے ہاتھ میں یہ کام ہوں بلکہ اگر وہ درگزر کرنا چاہیں تو بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ جرم بے واسطہ حکومت اسلامیہ کا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ نہیں وہ کہتے ہیں ”کہ عمار بہ اسی وقت مانا جائے گا جبکہ شہر کے باہر ایسے فساد کوئی کرے کیونکہ شہر میں تو امداد کا پہنچنا ممکن ہے راستوں میں یہ بات ناممکن ہی ہے۔“ جو سزا ان عمار بین کی بیان ہوئی ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے راستوں کو پر خطر بنادے امام المسلمین کو ان تین سزاؤں میں سے جو سزا دینا چاہے اس کا اختیار ہے۔ یہی قول آور بھی بہت سوں کا ہے اور اس طرح کا اختیار ایسی ہی اور آجوں کے احکام میں بھی موجود ہے جیسے حرم اگر شکار کھیلے تو اس کا بدلہ شکار کے برابر کی قربانی یا ناسا کہیں کا کھانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے بیماری یا سر کی تکلیف کی وجہ سے حالت احرام میں سرمزدانے اور غلاف احرام کرنے والے کے فدیے میں بھی روزے یا صدقہ یا قربانی کا حکم ہے۔ قسم کے کفارے میں درمیانی درجہ کا کھانا دس مسکینوں کا یا ان کا کپڑا یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ تو جس طرح یہاں ان صورتوں میں سے کسی ایک کے پسند کر لینے کا اختیار ہے

اسی طرح ایسے محارب، مرتد لوگوں کی سزا بھی یا تو قتل ہے یا ہاتھ پاؤں اسی طرح سے کاٹنا ہے یا جلا وطن کرنا اور جمہور کا قول ہے کہ یہ آیت کئی احوال میں ہے۔ جب ڈاکو قتل و غارت دونوں کے مرتکب ہوتے ہوں تو قابل دار اور گردن زدنی ہیں اور جب صرف قتل مرتد ہوا ہو تو قتل کا بدلہ صرف قتل ہے اور اگر فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پاؤں اٹلے سیدھے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر راستے پر خطر کر دیئے ہوں، لوگوں کو خوفزدہ کر دیا ہو، اور کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں اور گرفتار کر لئے جائیں تو صرف جلا وطنی ہے۔

اکثر سلف اور ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ پھر بزرگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا سولی پر لٹکا کر یونہی چھوڑ دیا جائے کہ بھوکا پیاسا مرجائے یا نیزے وغیرہ سے قتل کر دیا جائے؟ یا پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے تاکہ اور لوگوں کو عبرت حاصل ہو؟ اور کیا تین دن تک سولی پر چھوڑ کر پھرتا لیا جائے یا یونہی چھوڑ دیا جائے لیکن تفسیر کا یہ موضوع نہیں کہ ہم ایسے جرنی اختلافات میں پڑیں اور ہر ایک کی دلیلیں وغیرہ وارد کریں۔ ہاں ایک حدیث میں کچھ تفصیل سزا ہے اگر اس کی سند صحیح ہو تو وہ یہ کہ حضورؐ نے جب ان محاربین کے بارے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا، ”جنہوں نے مال چرایا اور راستوں کو خطرناک بنا دیا، ان کے ہاتھ تو چوری کے بدلے کاٹ دیجئے اور جس نے قتل اور دہشت گردی پھیلانی اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے اسے سولی چڑھا دو۔“

فرمان ہے ”کہ زمین سے الگ کر دیئے جائیں یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائے یا وہ دارالاسلام سے بھاگ کر کہیں چلے جائیں یا یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے سے تیسرے شہر انہیں بھیج دیا جاتا رہے یا یہ کہ اسلامی سلطنت سے بالکل ہی خارج کر دیا جائے۔“ حقیقی تو نکال ہی دیتے تھے اور عطا خراسانی کہتے ہیں ”ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں پہنچا دیا جائے۔ یونہی کئی سال تک مارا مارا پھرایا جائے لیکن دارالاسلام سے باہر نہ کیا جائے“ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں اسے جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔ ابن جریرؒ کا مختار قول یہ ہے ”کہ اسے اس کے شہر سے نکال کر کسی دوسرے شہر کے جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔ ایسے لوگ دنیا میں ذلیل و رذیل اور آخرت میں بڑے بھاری عذابوں میں گرفتار ہوں گے۔ آیت کا یہ ٹکڑا تو ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے۔ اور مسلمانوں کے بارے میں وہ صحیح حدیث ہے جس میں ہے حضورؐ نے ہم سے ویسے ہی عہد لئے جیسے عورتوں سے لئے تھے۔ کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں، ایک دوسرے کی نافرمانی نہ کریں۔ جو اس وعدے کو نبھائے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو ان میں سے کسی گناہ کے ساتھ آلودہ ہو جائے، پھر اگر اسے سزا ہوگئی تو وہ سزا کفارہ بن جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی تو اس امر کا اللہ ہی مختار ہے۔ اگر چاہے عذاب کرے اگر چاہے چھوڑ دے۔ اور حدیث میں ہے جس کسی نے کوئی گناہ کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ڈھانپ لیا اور اس سے چشم پوشی کر لی تو اللہ کی ذات اور اس کا حکم و کرم اس سے بہت بلند و بالا ہے، معاف کئے ہوئے جرائم کو دوبارہ کرنے پر اسے دنیوی سزا ملے گی۔ اگر بے توبہ مر گئے تو آخرت کی وہ سزائیں باقی ہیں جن کا اس وقت صحیح تصور بھی محال ہے ہاں توبہ نصیب ہو جائے تو اور بات ہے۔

پھر توبہ کرنے والوں کی نسبت جو فرمایا ہے اس کا اظہار اس صورت میں تو صاف ہے کہ اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں نازل شدہ مانا جائے لیکن جو مسلمان مغرور ہوں اور وہ قبضے میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے قتل اور سولی اور پاؤں کاٹنا تو ہٹ جاتا ہے لیکن ہاتھ کاٹنا بھی ہٹ جاتا ہے یا نہیں اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہٹ جائے صحابہؓ کا عمل بھی اسی پر ہے۔ چنانچہ جاریہ بن بدر بھی بھری نے زمین میں فساد کیا، مسلمانوں سے لڑا اس بارے میں چند قریشیوں نے حضرت علیؓ سے سفارش کی، جن میں حضرت حسن بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم بھی تھے لیکن آپؓ نے

اسے اسن دینے سے انکار کر دیا۔ وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آیا آپ نے اپنے گھر میں اسے ٹھہرایا اور حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا: بتائیے تو جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑے اور زمین میں فساد کی سعی کرے پھر ان آیتوں کی قبل اُن تَقْدِرُوا عَلَیْہِمْ تَک تِلَاوَت کی تو آپ نے فرمایا میں تو ایسے شخص کو اسن لکھ دوں گا۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا یہ جار یہ بن بدر ہے چنانچہ جار یہ نے اس کے بعد ان کی مدح میں اشعار بھی کہے ہیں۔

قبیلہ مراد کا ایک شخص حضرت ابو موسیٰ اشعرئیؓ کے پاس کوذی مسجد میں جہاں کے یہ گورنر تھے ایک فرض نماز کے بعد آیا اور کہنے لگا: اے امیر کوذی فلاں بن فلاں مرادی قبیلہ کا ہوں میں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑائی لڑی زمین میں فساد کی کوشش کی لیکن آپ لوگ مجھ پر قدرت پائیں اس سے پہلے میں تابع ہو گیا۔ اب میں آپ سے پناہ حاصل کرنے والے کی جگہ پر کھڑا ہوں۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کوئی اب اس توبہ کے بعد اس سے کسی طرح کی برائی نہ کرے اگر یہ سچا ہے تو الحمد للہ اور یہ جھوٹا ہے تو اس کے گناہ ہی اسے ہلاک کر دیں گے۔ یہ شخص ایک مدت تک تو ٹھیک ٹھیک رہا لیکن پھر بغاوت کر گیا اللہ نے بھی اس کے گناہوں کے بدلے اسے عارت کر دیا اور یہ مار ڈالا گیا۔ علیؑ نامی ایک اسدی شخص نے بھی گزرگا ہوں میں دہشت پھیلادی لوگوں کو قتل کیا 'مال لوٹا بادشاہ لشکر اور رعایا نے ہر چند اسے گرفتار کرنا چاہا لیکن یہ ہاتھ نہ لگا۔ ایک مرتبہ یہ جنگل میں تھا۔ ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور وہ اس وقت یہ آیت تلاوت کر رہا تھا قُلْ یٰبَنِیَّادِیَ الَّذِیْنَ اَسْمَوْاْ فَاِذَا اُنْصِرْتُ بِرَبِّیْ اَسْمَاؤُکُمْ لَیْسَ بِکُمْ مِنْ شَیْءٍ اَللّٰهُ کے بندے یہ آیت مجھے دوبارہ سنا اس نے پھر پڑھی اللہ کی اس آواز کو سن کر کہ وہ فرماتا ہے اے میرے گناہ گار بندو! تم میری رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ میں سب گناہوں کو بخشے پر قادر ہوں۔ میں مغرور و جیم ہوں۔ اس شخص نے جھٹ سے اپنی تلوار میان میں کر لی اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور صبح کی نماز سے پہلے مدینے پہنچ گیا، غسل کیا اور مسجد نبویؐ میں نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے انہی میں ایک طرف یہ بھی بیٹھ گیا۔ جب دن کا اجالا ہوا تو لوگوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو سلطنت کا باغی بہت بڑا مجرم اور مفرد شخص علی اسدی ہے سب نے چاہا کہ اسے گرفتار کر لیں۔ اس نے کہا سناں بھائیو! تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے اس لئے کہ مجھ پر تمہارا قابو پانے سے پہلے ہی میں توبہ کر چکا ہوں بلکہ توبہ کے بعد خود تمہارے پاس آ گیا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا یہ سچ کہتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے چلے یہ اس وقت حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینے کے گورنر تھے وہاں پہنچ کر فرمایا کہ یہ علی اسدی ہیں توبہ کر چکے ہیں اس لئے اب تم انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ کسی نے اس کے ساتھ کچھ نہ کیا جب مجاہدین کی ایک جماعت رومیوں سے لڑنے کے لئے چلی تو ان مجاہدوں کے ساتھ یہ بھی ہوئے، سمندر میں ان کی کشتی جاری تھی کہ سامنے سے چند کشتیاں رومیوں کی آگئیں یہ اپنی کشتی میں سے رومیوں کی گردنیں مارنے کے لئے ان کی کشتی میں کود گئے ان کی آبدار خارا شگاف تلوار کی چمک کی تاب روی نہ لاسکے اور نامردی سے ایک طرف کو بھاگے یہ بھی ان کے پیچھے اسی طرف چلے۔ چونکہ سارا ابو جہ ایک طرف ہو گیا اس لئے کشتی الٹ گئی جس سے وہ سارے روی کفار ہلاک ہو گئے اور حضرت علی اسدی رحمۃ اللہ علیہ بھی ڈوب کر شہید ہو گئے (اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا
فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ اِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّثْلَ مَا لَهُمْ لَفِئْتَدُوا

بِهِ مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ
الِيمٌ ۝ يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ
مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو ○ یقین مانو کہ کافروں کے لئے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ ایسی جتنا اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن عذابوں کے بدلے فدیے میں دینا چاہیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا یہ فدیہ قبول کر لیا جائے ان کے لئے تو دردناک عذاب ہی ہیں ○ یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے۔ ان کے لئے تو دوائی عذاب ہیں ○

دوائی عذاب ہیں ○

تقویٰ قربت الہی کی بنیاد ہے: ☆ ☆ (آیت: ۳۵-۳۷) تقوے کا حکم ہو رہا ہے اور وہ بھی اطاعت سے ملا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے منع کردہ کاموں سے جو شخص رکا رہے اس کی طرف قربت یعنی نزدیکی تلاش کرے۔ ویلے کے یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں۔ حضرت مجاہدؒ حضرت وائلؒ حضرت حسنؒ حضرت ابن زیدؒ اور بہت سے مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہے۔ قنادہؒ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال کرنے سے اس سے قرب ہوتے جاؤ۔ ابن زیدؒ نے یہ آیت بھی پڑھی اُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ ۖ فَهُمْ يُبْكَرُونَ یہ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان ائمہؒ نے ویلے کے جو معنی اس آیت میں کئے ہیں اس پر سب مفسرین کا اجماع ہے اس میں کسی ایک کو بھی اختلاف نہیں۔ امام جریرؒ نے اس پر ایک عربی شعر بھی وارد کیا ہے جس میں وسیلہ بمعنی قربت اور نزدیکی کے مستعمل ہوا ہے۔ ویلے کے معنی اس چیز کے ہیں جس سے مقصود کے حاصل کرنے کی طرف پہنچا جائے اور وسیلہ جنت کی اس اعلیٰ اور بہترین منزل کا نام ہے جو رسول کریم ﷺ کی جگہ ہے۔ عرش سے بہت زیادہ قرب یہی درجہ ہے۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے ”جو شخص اذان سن کر اَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ الْخَاتَمَةُ“ پڑھے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔“ مسلم کی حدیث میں ہے ”جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہہ رہا ہو وہی تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو ایک درود کے بدلے تم پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔“ پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کر دو وہ جنت کا ایک درجہ ہے جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی مسند احمد میں ہے ”جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لئے وسیلہ مانگو پوچھا گیا وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا جنت کا سب سے بلند درجہ جسے صرف ایک شخص ہی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں۔“

طبرانی میں ہے ”تم اللہ سے دعا کرو کہ اللہ مجھے وسیلہ عطا فرمائے“ جو شخص دنیا میں میرے لئے یہ دعا کرے گا میں اس پر گواہ یا اس کا سفارشی قیامت کے دن بن جاؤں گا۔ اور حدیث میں ہے ویلے سے بڑا درجہ جنت میں کوئی نہیں لہذا تم اللہ تعالیٰ سے میرے لئے ویلے کے ملنے کی دعا کرو۔ ایک غریب اور مکر حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ اس ویلے میں آپؐ کے ساتھ اور کون ہوں گے؟ تو آپؐ نے حضرت فاطمہؓ اور حسنؓ حسینؓ کا نام لیا۔ ایک اور بہت غریب روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے کوفہ کے منبر پر فرمایا کہ جنت میں دو موتی ہیں ایک سفید ایک زرد زرد تو عرش تلے ہے اور مقام محمود سفید موتی کا ہے جس میں ستر ہزار بالا خانے ہیں جن میں سے ہر

ہر گھر تین میل کا ہے۔ اس کے در پہچے دروازے تخت وغیرہ سب کے سب گویا ایک ہی جڑ سے ہیں۔ اسی کا نام وسیلہ ہے یہ محمد ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لئے ہے۔ تقویٰ کا یعنی منوعات سے رکنے کا اور حکم احکام کے بجالانے کا حکم دے کر پھر فرمایا ”کہ اس کی راہ میں جہاد کرو مشرکین و کفار کو جو اس کے دشمن ہیں اس کے دین سے الگ ہیں اس کی سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں انہیں قتل کرو۔ ایسے مجاہدین بامراد ہیں فلاح و صلاح سعادت و شرافت انہی کے لئے ہے جنت کے بلند بالا خانے اور اللہ کی بے شمار نعمتیں انہی کے لئے ہیں یہ اس جنت میں پہنچائے جائیں گے جہاں موت و فوت نہیں جہاں کی اور نقصان نہیں جہاں تیشگی کی جوانی اور ابدی صحت اور دوا می عیش و عشرت ہے۔ اپنے دوستوں کا نیک انجام بیان فرما کر اب اپنے دشمنوں کا برا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے کہ اے یہ سخت اور بڑے عذاب انہیں ہو رہے ہوں گے کہ اگر اس وقت روئے زمین کے مالک ہوں بلکہ اتنا ہی اور بھی ہو تو ان عذابوں سے بچنے کے لئے بطور بدلے کے سب دے ڈالیں لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو بھی ان سے اب فدیہ قبول نہیں بلکہ جو عذاب ان پر ہیں وہ دائمی اور ابدی اور دوا می ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے کہ ”جہنمی جب جہنم میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر دوبارہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے ساتھ اوپر آ جائیں گے کہ دارودغہ انہیں لوہے کے ہتھوڑے مار مار کر پھر قعر جہنم میں گر ادیں گے۔ غرض ان دائمی عذابوں سے چھٹکارا محال ہے۔“ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”ایک جہنمی کو لایا جائے گا۔ پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم کو تمہاری جگہ کیسی ہے؟ وہ کہے گا بدترین اور سخت ترین۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ اس سے چھوٹنے کے لئے تو کیا کچھ خرچ کر دینے پر راضی ہے؟ وہ کہے گا ساری زمین بھر کا سونادے کر بھی یہاں سے چھوٹوں تو بھی سستا چھوٹا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ”چھوٹا ہے میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہی کم مانگا تھا لیکن تو نے کچھ بھی نہ کیا۔ پھر حکم دیا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔“ (مسلم)

ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بیان کیا کہ ایک قوم جہنم میں سے نکال کر جنت میں پہنچائی جائے گی۔ اس پر ان کے شاگرد حضرت یزید فقیرؒ نے پوچھا کہ پھر اس آیت قرآنی کا کیا مطلب ہے؟ کہ ”يُرِيدُونَ أَن يُخْرِجُوكَ مِنْهَا“ یعنی وہ جہنم سے آزاد ہونا چاہیں گے لیکن وہ آزاد ہونے والے نہیں تو آپ نے فرمایا اس سے پہلے کی آیت ”إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا“ پڑھو جس سے صاف ہو جاتا ہے کہ یہ کافر لوگ ہیں۔ یہ کبھی نہ نکلیں گے (مسند وغیرہ)

دوسری روایت میں ہے کہ یزید کا خیال یہی تھا کہ جہنم میں سے کوئی بھی نہ نکلے گا۔ اس لئے یہ سن کر انہوں نے حضرت جابرؓ سے کہا کہ مجھے اور لوگوں پر تو انفس نہیں ہاں آپ صحابیوں پر انفس ہے کہ آپ بھی قرآن کے الٹ کہتے ہیں۔ اس وقت مجھے بھی غصہ آ گیا تھا۔ اس پر ان کے ساتھیوں نے مجھے ڈانٹا لیکن حضرت جابرؓ بہت ہی حلیم الطبع تھے۔ انہوں نے سب کو روک دیا اور مجھے سمجھایا کہ قرآن میں جن کا جہنم سے نہ نکلنے کا ذکر ہے وہ کفار ہیں۔ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں مجھے سارا قرآن یاد ہے؟ پھر کہا کیا یہ آیت قرآن نہیں ہے؟ ”وَمِنَ الْإِنبِيَاءِ فَتَهَمُّهُمُ“ الخ اس میں مقام محمود کا ذکر ہے۔ یہی مقام مقام شفاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو جہنم میں ان کی خطاؤں کی وجہ سے ڈالے گا اور جب تک چاہے انہیں جہنم میں ہی رکھے گا۔ پھر جب چاہے گا انہیں اس سے آزاد کر دے گا۔

حضرت یزیدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرا خیال ٹھیک ہو گیا۔ حضرت طلق بن حبیبؒ کہتے ہیں میں بھی منکر شفاعت تھا یہاں تک کہ حضرت جابرؓ سے ملا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں جن جن آیتوں میں جہنم کے ہمیشہ رہنے والوں کا ذکر ہے سب پڑھ ڈالیں تو آپ نے سن کر فرمایا ”اے طلق کیا تم اپنے سینے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے علم میں مجھ سے افضل جانتے ہو؟ سنو جتنی آیتیں تم نے پڑھی ہیں وہ سب اہل جہنم کے بارے میں ہیں یعنی مشرکوں کے لئے لیکن جو لوگ نکلیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو مشرک نہ تھے لیکن گنہگار تھے۔ گناہوں

کے بدلے سزا بھگت لی۔ پھر جہنم سے نکال دیئے گئے۔ حضرت جاہل نے یہ سب فرما کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ دونوں بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنا ہو کہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی لوگ اس میں سے نکالے جائیں گے اور وہ جہنم سے آزاد کر دیئے جائیں گے۔ قرآن کی یہ آیتیں جس طرح تم پڑھتے ہو ہم بھی پڑھتے ہی ہیں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا
 نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِّنْ بَعْدِ
 ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ
 رَّحِيمٌ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
 قَدِيرٌ ۝

چوری کرنے والے مرد و عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کر دہلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا۔ یہ عیب ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ قوت و حکمت والا ہے ○ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مہربانی کرنے والا ہے ○ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے۔ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف فرمادے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

احکامات جرم و سزا: ☆ ☆ (آیت: ۳۸-۴۰) حضرت ابن مسعود کی قرات میں فَاَقْطَعُوا اَيْدِيَهُمَا ہے لیکن یہ قرات شاذ ہے گوئل اسی پر ہے لیکن وہ عمل اس قرات کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے دلائل کی بناء پر ہے۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کا طریقہ اسلام سے پہلے بھی تھا۔ اسلام نے اسے تفصیل و ازاد اور منظم کر دیا اسی طرح قسامت دیت فرافض کے مسائل بھی پہلے تھے لیکن غیر منظم اور ادھورے اسلام نے انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے دو یک نامی ایک خزاہی شخص کے ہاتھ چوری کے الزام میں قریش نے کاٹے تھے۔ اس نے کچھ کا غلاف چرایا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوروں نے اس کے پاس رکھ دیا تھا۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ چوری کی چیز کی کوئی حد نہیں۔ تھوڑی ہو یا بہت محفوظ جگہ سے لی ہو یا غیر محفوظ جگہ سے، بہر صورت ہاتھ کاٹنا جائے گا۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت عام ہے تو ممکن ہے اس قول کا یہی مطلب ہو اور دوسرے مطالب بھی ممکن ہیں۔ ایک دلیل ان حضرات کی یہ حدیث بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ انڈا چراتا ہے اور ہاتھ کٹواتا ہے زری چراتی ہے اور ہاتھ کاٹنا جاتا ہے۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چوری کے مال کی حد مقرر ہے۔ گو اس کے تقرر میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں تین درہم سکے والے خالص یا ان کی قیمت یا زیادہ کی کوئی چیز۔

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضور کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے اور اس کی قیمت اتنی ہی تھی۔ حضرت عثمان نے اترنج کے چور کے ہاتھ کاٹے تھے جبکہ وہ تین درہم کی قیمت کا تھا۔ حضرت عثمانؓ کا یہ فعل گویا صحابہؓ کا اجماع سکوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے پھل کے چور کے ہاتھ بھی کاٹے جائیں گے۔ حنفیہ اسے نہیں مانتے اور ان کے نزدیک چوری کے مال کا دس درہم کی قیمت کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے پاؤ یا دینار کے تقرر میں۔ امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ پاؤ دینار کی قیمت کی چیز ہو یا اس سے زیادہ۔ ان کی

دلیل بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا چور کا ہاتھ پاؤ دینار میں پھر جو اس سے اوپر ہو اس میں کاٹنا چاہئے۔ مسلم کی ایک حدیث میں ہے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر پاؤ دینار پھر اس سے اوپر میں پس یہ حدیث اس مسئلے کا صاف فیصلہ کر دیتی ہے اور جس حدیث میں تین درہم حضورؐ سے ہاتھ کاٹنے کو فرمایا مروی ہے وہ اس کے خلاف نہیں اس لئے کہ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا۔ پس اصل چوتھائی دینار ہے نہ کہ تین درہم۔ حضرت عمر بن خطابؓ حضرت عثمانؓ حضرت علی بن ابی طالبؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ رحمہ اللہ عنہم لیث بن سعد از عائشہؓ سفیٰ اسحاق بن راہویہ ابو ثور داؤد بن ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک روایت میں امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے کہ خواہ ربع دینار ہو خواہ تین درہم دونوں ہی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دو۔ اس سے کم میں نہیں۔ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا تو چوتھائی دینار تین درہم کا ہوا۔ نسائی میں ہے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہ کاٹا جائے۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا پاؤ دینار۔ پس ان تمام احادیث سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دس درہم شرط لگانا کلی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ جس ڈھال کے بارے میں حضورؐ کے زمانے میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا اس کی قیمت نو درہم تھی چنانچہ ابوبکرؓ میں شبہ میں یہ موجود ہے اور عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ مخالفت کرتے رہے ہیں اور حدود کے بارے میں احتیاط پر عمل کرتا چاہئے اور احتیاط زیادتی میں ہے۔ اس لئے دس درہم نصاب ہم نے مقرر کیا ہے۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار حد ہے۔ علی ابن مسعودؓ ابراہیم نخعیؒ ابو جعفر باقرؒ رحمہم اللہ سے یہی مروی ہے۔

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں یا نچوں نہ کاٹی جائیں مگر پانچ دینار یا پچاس درہم کی قیمت کے برابر کے مال کی چوری میں۔ ظاہر یہ کا مذہب ہے کہ ہر تھوڑی بہت چیز کی چوری پر ہاتھ کٹے گا۔ انہیں جمہور نے یہ جواب دیا ہے کہ اولاً تو یہ اطلاق منسوخ ہے لیکن یہ جواب ٹھیک نہیں اس لئے کہ تاریخ کتب کا کوئی یقینی عمل نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انڈے سے مراد لوہے کا انڈا ہے اور رسی سے مراد کشتیوں کے قیمتی رے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرمان باعتبار نتیجے کے ہے یعنی ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی چیزوں سے چوری شروع کرتا ہے آخر قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کا فرمان بطور واقعہ کے بیان ہو۔ ایام جاہلیت میں ہر چھوٹی سی چیز کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا تو گویا حضورؐ بطور افسوس کے اور چور کو نادم کرنے کے فرما رہے ہیں کہ کیسا ذلیل اور بے خوف انسان ہے کہ معمولی چیز کے لئے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مذکور ہے کہ ابوالاعلا معریؒ جب بغداد میں آیا تو اس نے ان بارے میں بڑے اعتراض شروع کئے اور اس کے جی میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میرے اس اعتراض کا جواب کسی سے نہیں ہو سکتا تو اس نے ایک شعر کہا کہ اگر ہاتھ کاٹ ڈالا جائے تو دیت میں پانچ سو دلوں میں اور پھر اسی ہاتھ کاٹا پاؤ دینار کی چوری پر کٹو ادیں یہ ایسا ناقض ہے کہ ہماری سمجھ میں تو آتا ہی نہیں خاموش ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مولانا ہمیں جنم سے بچائے، لیکن جب اس کی یہ بکواس مشہور ہوئی تو علماء کرام نے اسے جواب دینا چاہا تو یہ بھاگ گیا پھر جواب بھی مشہور کر دیئے گئے، قاضی عبدالوہابؒ نے جواب دیا تھا کہ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک مٹین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہو گیا اس نے چوری کر لی تو اس کی قیمت گھٹ گئی بعض بزرگوں نے اسے قدرے تفصیل سے جواب دیا تھا کہ اس سے شریعت کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے اور دنیا کا امن و امان قائم ہوتا ہے جو کسی کا ہاتھ بے وجہ کاٹ ڈالے اس پر بڑا جرمانہ رکھتا کہ لوگ اس بے فعل سے بچیں۔ وہاں یہی حکم مناسب تھا چوری میں تھوڑی سی چیز پر اسے کاٹ دینے کا حکم دیا تاکہ چوری کا دروازہ اس خوف سے بند ہو جائے پس یہ تو تین حکمت ہے۔ اگر چوری میں بھی اتنی رقم کی قید لگائی جاتی تو چوریوں کا اسناد نہ ہوتا یہ بدلہ ہے ان کے کہ قوت کا۔ مناسب مقام یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے

دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے، اسی عضو پر سزا ہوتا کہ انہیں کافی عبرت حاصل ہو اور دوسروں کو بھی تنبیہ ہو جائے۔ اللہ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے احکام میں حکیم ہے۔ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اللہ کی طرف جھک جائے اللہ اس کے گناہ معاف فرما دیا کرتا ہے۔ ہاں جو مال چوری میں کسی کا لے لیا ہے چونکہ اس شخص کا حق ہے لہذا صرف توبہ کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا تا وقتیکہ وہ مال جس کا ہے اسے نہ پہنچائے یا اس کے بدلے پوری پوری قیمت ادا کرے۔ جمہور ائمہ کا یہی قول ہے۔ صرف امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ جب چوری پر ہاتھ کٹ گیا اور مال تلف ہو چکا ہے تو اس کا بدلہ دینا اس پر ضروری نہیں۔ دارقطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ایک چور حضورؐ کے سامنے لایا گیا جس نے چادر چرائی تھی۔ آپ نے اس سے فرمایا میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہوگی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ میں نے چوری کی ہے تو آپ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ کے پاس واپس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو انہوں نے توبہ کی آپ نے فرمایا اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ (رضی اللہ عنہ) ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر بن مسعودؓ حضورؐ کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ مجھ سے چوری ہو گئی ہے تو آپ مجھے پاک کیجئے۔ فلاں قبیلے والوں کا اونٹ میں نے چرایا ہے۔ آپ نے اس قبیلے والوں کے پاس آ دی بھیج کر در یافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا اونٹ تو ضرور گم ہو گیا ہے۔ آپ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگا اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا۔ تو نے تو میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا چاہتا تھا (رضی اللہ عنہ)۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک عورت نے کچھ زور چرائے۔ ان لوگوں نے حضورؐ کے پاس اسے پیش کیا آپ نے اس کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہؐ کیا میری توبہ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا تم تو ایسی پاک صاف ہو گئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی ہو اس پر آیت فَمَنْ تَابَ نَازِل ہوئی۔ مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہیں لیکن آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا یہ عورت مخروم قبیلے کی تھی اور اس کا یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑے گھرانے کی عورت تھی لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں۔ یہ واقعہ فروغ فتح میں ہوا تھا بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو رسول اللہ ﷺ کے بہت پیارے ہیں وہ ان کے بارے میں حضورؐ سے سفارش کریں۔ حضرت اسامہؓ نے جب اس کی سفارش کی تو حضورؐ کو سخت ناگوار گزرا اور غصے سے فرمایا اسامہؓ جو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اب تو حضرت اسامہؓ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی میرے لئے آپ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت اللہ کے رسولؐ نے ایک خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی خصلت پر تباہ و برباد ہو گئے کہ ان میں سے جب کوئی شریف شخص بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کریں تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقؓ فرمائی ہیں پھر اس بیوی صاحبہ نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی اور نکاح کر لیا۔ پھر وہ میرے پاس اپنے کسی کام کاج کے لئے آئی تھیں اور میں اس کی حاجت آخضر ﷺ سے بیان کر دیا کرتی تھی۔ (رضی اللہ عنہا) مسلم میں ہے کہ ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی پھر انکار کر دیا کرتی تھی حضورؐ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اور روایت میں ہے یہ زبور ادھار لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلالؓ کو ہوا تھا۔ کتاب الاحکام میں ایسی بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو چوری سے تعلق رکھتی ہیں۔ فائدہ اللہ۔ جمیع مملوک کا مالک ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ سچا حاکم اللہ ہی ہے جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا جس کے کسی ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ ہر چیز پر وہ قادر ہے اس کی قدرت کاملہ اور اس کا قبضہ سچا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ
 قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا
 سَمِعُوا لِلْكَذِبِ سَمْعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ
 يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ
 هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتُوهُ فَاحْذَرُوا وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ
 فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ
 اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ
 فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ

اے نبی! تو ان لوگوں کے پیچھے اپنا دل نہ کر جا جو کفر میں سہیت کر رہے ہیں خواہ وہ ان منافقوں میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل با ایمان نہیں اور خواہ وہ یہودیوں میں سے ہوں۔ جو غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک آپ کے پاس نہیں آئے۔ باتوں کے اصلی موقع کو چھوڑ کر انہیں بے اسلوب اور خفیہ کر دیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دینے جاؤ تو قبول کر لیتا اور اگر یہ حکم دینے جاؤ تو الگ تھلگ رہتا جس کا خراب کرنا اللہ ہی کو منظور ہو تو تو اس کے لئے اللہ کی ہدایت میں سے کسی چیز کا حقار نہیں اللہ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں۔ ان کے لئے دنیا میں بھی بڑی ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بہت بڑی سخت سزا ہے ○

جھوٹ سننے اور کہنے کے عادی لوگ: ☆ ☆ (آیت ۴۱) ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو رائے قیاس اور خواہش نفسانی کو اللہ کی شریعت پر مقدم رکھتے ہیں۔ اللہ و رسول کی اطاعت سے نکل کر کفر کی طرف دوڑتے بھاگتے رہتے ہیں۔ گو یہ لوگ زبانی ایمان کے دعوے کریں لیکن ان کا دل ایمان سے خالی ہے۔ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان ان کے کھرنے دل کے کھولنے اور یہی خصلت یہودیوں کی ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں یہ جھوٹ کو مزے سے سننے میں اور دل کھول کر قبول کرتے ہیں۔ لیکن سچ سے بھاگتے ہیں بلکہ نفرت کرتے ہیں اور جو لوگ آپ کی مجلس میں نہیں آتے یہ یہاں کی وہاں پہنچاتے ہیں۔ ان کی طرف سے جاسوسی کرنے کو آتے ہیں پھر نا اقلتی یہ کرتے ہیں کہ یہ بات کو بدل ڈالا کرتے ہیں۔ مطلب کچھ ہوئے کچھ اڑتے ہیں ارادے یہی ہیں کہ اگر گرتہاری خواہش کے مطابق کہے تو مان لو طبیعت کے خلاف ہو تو دور ہو۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں اتری تھی جن میں ایک کو دوسرے نے قتل کر دیا تھا۔ اب کہنے لگے چلو حضور کے پاس چلیں اگر آپ دیت و جرمانے کا حکم دیں تو منظور کر لیں گے اور اگر قصاص بدلے کو فرمائیں تو نہیں مانیں گے، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک زنا کار کو لے کر آئے تھے۔ ان کی کتاب توریت میں دراصل حکم تو یہ تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے۔ لیکن انہوں نے اسے بدل ڈالا تھا اور سو کوڑے مار کر مذمت کا لاکر ان کا گناہ سنا کر رکھنے کی رسوائی کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ جب ہجرت کے بعد ان میں سے کوئی زنا کاری کے جرم میں پکڑا گیا تو یہ کہنے لگے آؤ حضور کے پاس چلیں اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کریں اگر آپ بھی وہی فرمائیں جو ہم کرتے ہیں تو اسے قبول کر لیں گے اور اللہ کے ہاں بھی یہ ہماری سند ہو جائے گی اور اگر جرم کو

فرمائیں گے تو نہیں مانیں گے۔ چنانچہ یہ آئے اور حضورؐ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک مرد عورت نے بدکاری کی ہے ان کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا تمہارے ہاں تو ریت میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم تو اسے رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جھوٹ کہتے ہیں، تو رات میں سنگسار کرنے کا حکم ہے لاؤ تورات پیش کرو، انہوں نے تورات کھولی لیکن آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی سب عبارت پڑھ سنائی، حضرت عبداللہ سمجھ گئے اور آپؐ نے فرمایا، اپنے ہاتھ کو تہناؤ، ہاتھ بٹایا تو سنگسار کرنے کی آیت موجود تھی اب تو انہیں بھی اقرار کرنا پڑا۔ پھر حضورؐ کے حکم سے زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں، میں نے دیکھا کہ وہ زانی اس عورت کو پتھروں سے بچانے کیلئے اس کے آڑے آ جاتا تھا (بخاری و مسلم) اور سند سے مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا، ہم تو اسے کالا منہ کر کے کچھ مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں اور آیت کے ظاہر ہونے کے بعد انہوں نے کہا، ہے تو یہی حکم لیکن ہم نے تو اسے چھپایا تھا جو پڑھ رہا تھا، اسی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا، جب اس کا ہاتھ اٹھوایا تو آیت پر اچھتی ہوئی نظر پڑ گئی۔ ان دونوں کے رجم کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی موجود تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آدمی بھیج کر آپؐ کو بلوایا تھا، اپنے مدرسے میں گدی پر آپؐ کو بٹھایا تھا اور جو تورات آپ کے سامنے پڑھ رہا تھا، وہ ان کا بہت بڑا عالم تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ان سے قسم دے کر پوچھا تھا کہ تم تو ریت میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا پاتے ہو؟ تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا لیکن ایک نوجوان کچھ نہ بولا، خاموش ہی کھڑا رہا، آپؐ نے اس کی طرف دیکھ کر خاص اسے دوبارہ قسم دی اور جواب مانگا، اس نے کہا جب آپؐ ایسی قسمیں دے رہے ہیں تو میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ واقعی تو ریت میں ان لوگوں کی سزا سنگساری ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اچھا پھر یہ بھی سچ بچ بٹاؤ کہ پہلے پہل اس رجم کو تم نے کیوں اور کس پر سے اڑایا؟ اس نے کہا حضرت ہمارے کسی بادشاہ کے رشتے دار بڑے آدمی نے زنا کاری کی۔ اس کی عظمت اور بادشاہ کی ہیبت کے مارے اسے رجم نہ کیا پھر ایک عام آدمی نے بدکاری کی تو اسے رجم کرنا چاہا لیکن اس کی ساری قوم چڑھ دوڑی کہ یا تو اس اعلیٰ شخص کو بھی رجم کر دو ورنہ اسے بھی چھوڑ دو۔ آخر ہم نے مل ملا کر یہ طے کیا کہ بجائے رجم کے اس قسم کی کوئی سزا مقرر کر دی جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے تو ریت کے حکم کو جاری کیا اور اسی بارے میں آیت اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ اَنْزٰی - پس آنحضرت ﷺ بھی ان احکام کے جاری کرنے والوں میں سے ہیں۔ (ابوداؤد)

سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ لِلسُّحْتِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَصْزُرُوا شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٥٨﴾ وَكَيْفَ يُحْكِمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٩﴾

یہ کان لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور جی بھر بھر کر حرام کے کھانے والے ہیں اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کر خواہ ان کو

نال دے۔ اگر تو ان سے مزید بھی پھیرے گا تو بھی یہ حق ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر۔ عدل والوں سے اللہ محبت کرتا ہے ○ تعجب کی بات ہے کہ اپنے پاس تو یہ تہمت ہوئے جس میں احکام اللہ ہیں، تجھے حکم بتاتے ہیں پھر اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں ○

(آیت: ۴۴-۴۳) مندا احمد ہے کہ ایک شخص کو یہودی کا لامندہ کئے لے جا رہے تھے اور اسے کوڑے بھی مار رکھے تھے تو آپ نے بلا کر ان سے ماجرا پوچھا جنہوں نے کہا اس نے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا زانی کی بیوی سزا اٹھا رہی ہے؟ کہا ہاں آپ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر اسے سخت قسم دے کر پوچھا تو اس نے کہا کہ اگر آپ ایسی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دراصل زنا کاری کی سزا سنگساری ہے لیکن چونکہ امیر امراء اور شرفاء لوگوں میں یہ بدکاری بڑھ گئی تھی اور انہیں اس قسم کی سزا دینی ہم نے مناسب نہ جانی اس لئے انہیں تو چھوڑ دیتے تھے اور اللہ کا حکم مارا نہ جائے اس لئے غریب غریباً کم حیثیت لوگوں کو جرم کرادیتے تھے۔ پھر ہم نے رائے زنی کی کہ آؤ کوئی ایسی سزا تجویز کرو کہ شریف و غیر شریف، امیر غریب پر سب پر یکساں جاری ہو سکے چنانچہ ہمارا سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ مندا کا لے کر دیں اور کوڑے لگائیں۔ یہ سن کر حضورؐ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو سنگسار کرو۔ چنانچہ انہیں رجم کر دیا گیا اور آپؐ نے فرمایا اے اللہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے حیرے ایک مردہ حکم کو زندہ کیا۔ اس پر آیت یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ سَئِرُ الْكَافِرُونَ تک نازل ہوئی۔

انہی یہودیوں کے بارے میں اور آیت میں ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ اور آیت میں ہے فاسق ہیں (مسلم وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ واقعہ زنا فسادک میں ہوا تھا اور وہاں کے یہودیوں نے مدینہ شریف کے یہودیوں کو لکھ کر حضورؐ سے پچھوایا تھا۔ جو عالم ان کا آیا اس کا نام ابن مہدی تھا یہ آٹھ کا بیٹا تھا اور اس کے ساتھ ایک دوسرا عالم بھی تھا۔ حضورؐ نے جب انہیں قسم دی تو دونوں نے قول دیا تھا آپؐ نے انہیں کہا تھا تمہیں اس اللہ کی قسم جس نے بنو اسرائیل کے لئے پانی میں راہ کر دی تھی اور ابراہیم کا سایہ ان پر کیا تھا اور فرعونین سے بچایا تھا اور من و سلویٰ اتارا تھا۔ اس قسم سے وہ چونک گئے اور آپؐ میں کہنے لگے بڑی زبردست قسم ہے اس موقع پر جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں تو کہا حضورؐ کو ریت میں یہ ہے کہ بری نظر سے دیکھنا بھی مثل زنا کے ہے اور گلے لگانا بھی اور بوسہ لینا بھی، پھر اگر چار گواہ اس بات کے ہوں کہ انہوں نے دخول خروج دیکھا ہے جیسا کہ سلائی سرمدانی میں جاتی آتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہی مسئلہ ہے پھر حکم دیا اور انہیں رجم کر دیا گیا۔ اس پر آیت فَإِنْ جَاءَ وَكَانَ الْخِزْيَانُ (ابوداؤد وغیرہ)

ایک روایت میں جودو عالم سامنے لائے گئے تھے یہ دونوں صورتوں کے لڑکے تھے۔ ترک حد کا سبب اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے یہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم میں سلطنت نہ رہی تو ہم نے اپنے آدمیوں کی جان یعنی مناسب نہ سمجھی، پھر آپؐ نے گواہوں کو بلوا کر گواہی کی جنہوں نے بیان دیا کہ ہم نے انہی آنکھوں سے انہیں اس برائی میں دیکھا ہے جس طرح سرمدانی میں سلائی ہوتی ہے۔ دراصل تو روایت وغیرہ کا منگوانا ان کے عالموں کو بلوانا یہ سب انہیں الزام دینے کے لئے تھا نہ انہیں لئے تھا کہ وہ اسی کے ماننے کے مکلف ہیں نہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کا فرمان واجب العمل ہے اس سے مقصد ایک تو حضورؐ کی سچائی کا اظہار تھا کہ اللہ کی وحی سے آپؐ نے یہ معلوم کر لیا کہ ان کی توریت میں بھی حکم رجم موجود ہے اور یہی لکھا دوسرے ان کی رسوائی کہ انہیں پہلے کے انکار کے بعد اقرار کرنا پڑا اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ فرمان الہی کو چھپا لینے والے اور اپنی رائے قیاس پر عمل کرنے والے ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ لوگ سچے دل سے حضورؐ کے پاس اس لئے نہیں آئے تھے کہ آپؐ کی فرمانبرداری کریں بلکہ محض اس لئے آئے تھے کہ اگر آپؐ کو بھی اپنے اجماع کے موافق پائیں گے تو

اتحاد کر لیں گے ورنہ ہرگز قبول نہ کریں گے۔

اسی لئے فرمان ہے کہ ”جنہیں اللہ گمراہ کر دے تو ان کو کسی قسم سے راہ راست آنے کا اختیار نہیں ہے۔ ان کے گمہ گئے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ کا ارادہ نہیں ہے یہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت میں داخل نار ہوں گے۔ یہ باطل کو کان لگا کر مزے لے کر سننے والے ہیں اور رشوت جیسی حرام چیز کو دن و دہاڑے کھانے والے ہیں بھلا ان کے بنس دل کیسے پاک ہوں گے؟ اور ان کی دعائیں اللہ کیسے سنے گا؟ اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے کہ ان کے فیصلے کر یا نہ کر اگر تو ان سے منہ پھیر لے جب بھی یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ان کا قصد اتباع حق نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کی پیروی ہے۔“ بعض بزرگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے۔ اس آیت سے وَأَن اَحْكُمُ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ پھر فرمایا ”اگر تو ان میں فیصلے کرے تو عدل و انصاف کے ساتھ کر، گو یہ خود عالم ہیں اور عدل سے بڑے ہوئے ہیں اور مان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔“

پھر ان کی خباثت بد باطنی اور سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ ”ایک طرف تو اس کتاب اللہ کو چھوڑ رکھا ہے جس کی تابعداری اور حقانیت کے خود قائل ہیں دوسری طرف اس جانب جھک رہے ہیں جسے نہیں مانتے اور جسے جھوٹ مشہور کر رکھا ہے پھر اس میں بھی نیت بد ہے کہ اگر وہاں سے ہماری خواہش کے مطابق حکم ملے گا تو لے لیں گے ورنہ چھوڑ چھاڑ دیں گے۔“ تو فرمایا کہ یہ کیسے تیری فرماں برداری کریں گے؟ انہوں نے تو توریہ کو بھی چھوڑ رکھا ہے جس میں اللہ کے احکامات ہونے کا اقرار انہیں بھی ہے لیکن پھر بھی بے ایمانی کر کے اس سے پھر جاتے ہیں۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَ نُورٌ يَحْكُمُ بِهَا التَّيِّبُونَ
الَّذِينَ اسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَ التَّيِّبُونَ وَ الْأَخْبَارُ بِمَا اسْتُخْفِظُوا
مَنْ كَتَبَ اللَّهُ وَ كَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءُ فَلَا تَخْشَوُا
النَّاسَ وَ اخْشَوُا اللَّهَ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَ مَنْ لَمْ
يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝

در اصل یہ ایمان و یقین والے ہیں ہی نہیں ایم نے ہی توریہ نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے یہودیوں میں اسی توریہ کے ساتھ اللہ کے ماننے والے انبیاء اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر اتقاری گواہ تھے۔ اب تمہیں چاہئے کہ لوگوں سے نہ ڈرو صرف میرا ڈر رکھو میری آیتوں کو تمہوڑے تمہوڑے مول پر نہ چھو۔ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ پورے اور پختہ کافر ہیں ○

(آیت ۴۴) پھر اسی توریہ کی مدحت و تعریف بیان فرمائی۔ جو اس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی کہ اس میں ہدایت و نورانیت تھی۔ انبیاء جو اللہ کے زیر فرمان تھے اسی پر فیصلہ کرتے رہے یہودیوں میں اسی کے احکام جاری کرتے رہے تبدیلی اور تحریف سے بچے رہے ربانی یعنی عابد علماء اور احبار یعنی ذی علم لوگ بھی اسی روش پر رہے۔ کیونکہ انہیں یہ پاک کتاب سونپی گئی تھی اور اس کے اظہار کا اور اس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ و شاہد تھے۔ اب تمہیں چاہئے کہ بجز اللہ کے کسی اور سے نہ ڈرو۔ ہاں قدم قدم اور لحد لحد پر خوف رکھو اور میری آیتوں کو تمہوڑے تمہوڑے مول فروخت نہ کیا کرو۔ جان لو کہ اللہ کی وحی کا حکم جو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اس میں دو قول ہیں جو ابھی بیان ہوں گے ان شاء اللہ۔

ان آیتوں کا ایک شان نزول بھی سن لیجئے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں کو اس آیت میں تو کافر کہا، دوسری میں ظالم تیسری میں فاسق۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کے دو گروہ تھے۔ ایک غالب تھا، دوسرا مغلوب۔ ان کی آپس میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب ذی عزت فرقتے کا کوئی شخص اگر مغلوب ذلیل فرقتے کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس سوقت دیت دے اور ذلیل لوگوں میں سے کوئی عزیز کو قتل کر دے تو ایک سو سوقت دیت دے۔ یہی رواج ان میں چلا آ رہا تھا۔ جب حضورؐ مدینے میں آئے اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان بچے والے یہودیوں میں سے کسی نے کسی اونچے یہودی کو مار ڈالا۔ یہاں سے آدمی گیا کہ لاؤ سو سوقت دلاؤ وہاں سے جواب ملا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کے ایک ہی دین کے ایک ہی نسب کے ایک ہی شہر کے پھر ہماری دیت کم اور تمہاری زیادہ؟ ہم بھونکے اب تک تمہارے دیے ہوئے تھے اس ناانصافی کو بادل ناخواست برداشت کرتے رہے لیکن اب جبکہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عادل بادشاہ یہاں آ گئے ہیں ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دو۔ اس بات پر ادھر ادھر سے آستینیں چڑھ گئیں۔ پھر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ اچھا اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کریں گے۔ لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے آپس میں جب مشورہ کیا تو ان کے سمجھداروں نے کہا دیکھو اس سے ہاتھ دھو رکھو کہ حضورؐ کوئی ناانصافی مہی حکم کریں۔ یہ تو صریح زیادتی ہے کہ ہم آدمی دیں اور پوری لیں اور فی الواقع ان لوگوں نے دپ کر اسے منظور کیا تھا۔ جو تم نے آنحضرت ﷺ کو حکم اور ثالث مقرر کیا ہے تو یقیناً تمہارا یہ حق مارا جائے گا۔ کسی نے رائے دی کہ اچھا یوں کر کسی کو حضورؐ کے پاس چپکے سے بھیج دو وہ معلوم کر آئے کہ آپ فیصلہ کیا کریں گے؟ اگر ہماری حمایت میں ہوا تب تو بہت اچھا، چلو اور ان سے حق حاصل کر آؤ اور اگر خلاف ہوا تو پھر الگ تھلگ ہی اچھے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کے چند منافقوں کو انہوں نے جاسوس بنا کر حضرتؐ کے پاس بھیجا۔ اس سے پہلے کہ وہ یہاں پہنچیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتار کر اپنے رسول کو ان دونوں فرقوں کے ہمارادوں سے مطلع فرما دیا (ابوداؤد)

ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنوفسیر اور بنو قریظہ تھے۔ بنوفسیر کی پوری دیت تھی اور بنو قریظہ کی آدمی۔ حضورؐ نے دونوں کی دیت یکساں دینے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ قریظی اگر کسی فتنی کو قتل کر ڈالے تو اس سے قصاص لیتے تھے لیکن اس کے خلاف میں قصاص تھا ہی نہیں سو سوقت دیت تھی۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ادھر یہ واقعہ ہوا، ادھر زنا کا قصہ واقع ہوا جو جس کا تفصیلی بیان گزر چکا ہے اور ان دونوں پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ ہاں ایک بات اور ہے جس سے اس دوسری شان نزول کی تقویت ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے وَكُنْتُمْ عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَعْمٰی، یعنی ہم نے یہودیوں پر تو ریت میں یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے عوض جان، آنکھ کے عوض آنکھ۔ واللہ اعلم۔

پھر انہیں کافر کہا گیا جو اللہ کی شریعت اور اس کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلے اور حکم نہ کریں۔ گو یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے بقول مفسرین اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص کو شامل ہے۔ بنو اسرائیل کے بارے میں اتاری اور اس امت کا بھی یہی حکم ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں جس نے وحی الہی کے خلاف عداوتی دیا جانے کے باوجود اس کے خلاف کیا وہ کافر ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جس نے اللہ کے فرمان سے انکار کیا اس کا یہ حکم ہے اور جس نے انکار تو نہ کیا لیکن اس کے مطابق نہ کہا وہ ظالم اور فاسق ہے۔ خواہ اہل کتاب ہو خواہ کوئی اور ہو۔ وضعیؒ فرماتے ہیں ”مسلمانوں میں جس نے کتاب کے خلاف فتویٰ دیا وہ کافر ہے اور یہودیوں میں دیا ہو تو ظالم ہے اور نصرا نیوں میں دیا ہو تو فاسق ہے۔“ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کافر اس آیت کے ساتھ ہے۔“ طاؤسؓ فرماتے ہیں ”اس کافر اس کے کفر جیسا نہیں جو

سرے سے اللہ کے رسول قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو۔ عطا فرماتے ہیں کہم (چھپانا) کفر سے کم ہے۔ اسی طرح ظلم و فسق کے بھی ادنیٰ اعلیٰ درجے ہیں۔ اس کفر سے وہ ملت اسلام سے پھر جانے والا ہو جاتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں ”اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف ہم جارہے ہو۔“

وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ
وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّرَّ بِالسِّرِّ
وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ
وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٥﴾

ہم نے یہودیوں کے مذکوریت میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت دانت کے بدلے اور خاص ریشوں کا بھی بدلہ ہے۔ پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے وہی لوگ ظالم ہیں ○

قتل کے بدلے تقاضائے عدل ہے: ☆ ☆ (آیت: ۳۵) یہودیوں کو اور سرزنش کی جارہی ہے کہ ان کی کتاب میں صاف لفظوں میں جو حکم تھا، یہ حکم کھلا اس کا بھی خلاف کر رہے ہیں اور سرکشی اور بے پرواہی سے اسے بھی چھوڑ رہے ہیں۔ نصری یہودیوں کو تو قرطی یہودیوں کے بدلے قتل کرتے ہیں لیکن قرطہ کے یہود کو بوضیفہ کے یہود کے عوض قتل نہیں کرتے بلکہ دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے شادی شدہ زانی کی سنگساری کے حکم کو بدل دیا ہے اور صرف کالا منہ کر کے رسوا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی لئے وہاں تو انہیں کافر کہا۔ یہاں انصاف نہ کرنے کی وجہ سے انہیں ظالم کہا۔ ایک حدیث میں حضور کا وَالْعَيْنِ پڑھنا بھی مروی ہے (ابوداؤد وغیرہ) علماء کرام کا قول ہے کہ اگلی شریعت چاہے ہمارے سامنے بطور تقریر بیان کی جائے اور منسوخ نہ ہو تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہے۔ جیسے یہ احکام سب کے سب ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں ایک تو وہی جو بیان ہوا ایک اس کے بالکل برعکس۔ ایک یہ کہ صرف ابراہیمی شریعت جاری اور باقی ہے اور کوئی نہیں۔ اس آیت کے عموم سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مرد و عورت کے بدلے بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ یہاں لفظ نفس ہے جو مرد و عورت دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ مرد و عورت کے خون کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے خون آپس میں مساوی ہیں۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ مرد جب کسی عورت کو قتل کر دے تو اس کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا بلکہ صرف دیت لی جائے گی لیکن یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ تو فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے قتل کے بدلے بھی مسلمان قتل کر دیا جائے گا اور غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ اور سلف کے بہت سے آثار اس بارے میں موجود ہیں کہ وہ غلام کا قصاص آزاد سے نہیں لیتے تھے اور آزاد غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ حدیثیں بھی اس بارے میں مروی ہیں لیکن صحت کو نہیں پہنچیں۔ امام شافعی تو فرماتے ہیں اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے خلاف اجماع ہے لیکن ان باتوں سے اس قول کا بطلان

لازم نہیں آتا تا وقتیکہ آیت کے عموم کو خاص کرنے والی کوئی زبردست صاف ثابت دلیل نہ ہو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت انس بن نضرؓ کی پھوپھی ربیع نے ایک لوطی کے دانت توڑ دیئے اب لوگوں نے اس سے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانی، حضورؐ کے پاس معاملہ آیا۔ آپ نے بدلہ لینے کا حکم دے دیا، اس پر حضرت انس بن نضرؓ نے فرمایا، کیا اس عورت کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں اے انس۔ اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم موجود ہے۔ یہ سن کر فرمایا، نہیں یا رسول اللہ قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس کے دانت ہرگز نہ توڑے جائیں گے چنانچہ ہوا بھی یہی کہ وہ لوگ راضی رضامند ہو گئے اور قصاص چھوڑ دیا بلکہ معاف کر دیا۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا، بعض بندگان رب ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری ہی کر دے۔ دوسری روایت میں ہے کہ پہلے انہوں نے نہ تو معافی دی نہ دیت لینی منظور کی نہ سنا کی وغیرہ میں ہے، ایک غریب جماعت کے غلام نے کسی مالدار جماعت کے غلام کے کان کاٹ دیئے، ان لوگوں نے حضورؐ سے آ کر عرض کی کہ ہم لوگ فقیر مسکین ہیں۔ مال ہمارے پاس نہیں تو حضورؐ نے ان پر کوئی جرمانہ نہ رکھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ غلام بالغ نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے سفارش کر کے معاف کر لیا ہو۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی، آنکھ پھوڑ دیئے والے کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی، ناک چاٹنے والے کا ناک کاٹ دیا جائے گا، دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے گا اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔ اس میں آزاد مسلمان سب کے سب برابر ہیں۔ مرد و عورت ایک ہی حکم میں ہیں۔ جبکہ یہ کام قصداً کئے گئے ہوں۔ اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں، ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی۔ قاعدہ اعضا کا کتنا جوڑ سے ہوتا ہے۔ اس میں تو قصاص واجب ہے۔ جیسے ہاتھ بچر، قدم، تھیلی وغیرہ۔ لیکن جو زخم جوڑ پر نہ ہوں بلکہ ہڈی پر آئے ہوں، ان کی بابت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ان میں بھی قصاص ہے مگر ان میں اور اس جیسے اعضاء میں اس لئے کہ وہ خوف و خطر کی جگہ ہے۔“

ان کے برخلاف ابوحنیفہؒ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں، بجز دانت کے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں۔ یہی مروی ہے حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی اور یہی کہتے ہیں عطاء، شعبی، حسن بصری، زہری، ابراہیم، نخعی، رحمہم اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیزؒ بھی اور اسی کی طرف گئے ہیں سفیان، ثوری، ادریس بن سعدؒ بھی۔ امام احمدؒ سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل وہی حضرت انسؓ والی روایت ہے جس میں ربیع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم حضورؐ کا فرمودہ ہے۔ لیکن دراصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں یہ لفظ ہے کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہو سکتا ہے کہ بغیر نوٹنے کے جھڑ گئے ہوں۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے۔ ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ان بلکہ میں ہے کہ ”ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو کہنی سے نیچے نیچے ایک تلوار ماری جس سے اس کی کلائی کٹ گئی، حضرتؐ کے پاس مقدمہ آیا، آپ نے حکم دیا کہ دیت ادا کر دو اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں“ آپؐ نے فرمایا اسی کو لے لے۔ اللہ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپؐ نے قصاص کو نہیں فرمایا۔ لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف اور گری ہوئی ہے اس کے ایک راوی ہشام بن عکلیٰ اعرابی ضعیف ہیں، ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی، دوسرے راوی غران بن جابر اعرابی بھی ضعیف ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ زخموں کا قصاص ان کے درست ہو جانے اور بھر جانے سے پہلے لینا جائز نہیں اور اگر پہلے لے لیا گیا پھر زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ دلویا نہ جائے گا۔ اس کی دلیل مسند احمدؒ کی یہ حدیث ہے کہ

ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ ماری وہ آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوانے آپ نے دلوادیا اس کے بعد وہ بھڑ آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ میں تو نکتہ زنا ہو گیا آپؐ نے فرمایا میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا اب تیرے اس نکتے پر بن کا بدلہ کچھ نہیں۔ پھر حضورؐ نے زموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے کو منع فرمایا۔

مسئلہ: ☆ اگر کسی نے دوسرے کو زخمی کیا اور بدلہ اس سے لے لیا گیا اس میں یہ مر گیا تو اس پر کچھ نہیں۔ مالکؒ شافعیؒ احمدؒ اور جہور صحابہؓ تابعینؒ کا یہی قول ہے۔ ابویوسفؒ کا قول ہے کہ ”اس پر دیت واجب ہے اسی کے مال میں سے“۔ بعض اور بزرگ فرماتے ہیں ”اس کے مال باپ کی طرف کے رشتہ داروں کے مال پر وہ دیت واجب ہے“۔ بعض اور حضرات کہتے ہیں ”بہتر اس کے بدلے کے تو ساقط ہے باقی اسی کے مال میں سے واجب ہے“۔

پھر فرماتا ہے ”جو شخص قصاص سے درگزر کرے اور بطور صدقے کے اپنے بدلے کو معاف کر دے تو زخمی کرنے والے کا کفارہ ہو گیا اور جو زخمی ہوا ہے اسے ثواب ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے“۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ زخمی کے لئے کفارہ ہے یعنی اس کے گناہ اسی زخم کی مقدار سے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ آیا ہے کہ ”اگر چوتھائی دیت کے برابر کی چیز ہے اور اس نے درگزر کر لیا تو اس کے چوتھائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ثلث ہے تو تہائی گناہ آدمی ہے تو آدھے گناہ اور پوری ہے تو پورے گناہ۔ ایک قریشی نے ایک انصاری کو زور سے دھکا دے دیا جس سے اس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت معاویہؓ کے پاس مقدمہ گیا اور جب وہ بہت سر ہو گیا تو آپؓ نے فرمایا اچھا جا تجھے اختیار ہے۔ حضرت ابورواہؓ ہیں تھے۔ فرمانے لگے ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے جسم میں کوئی ایذا پہنچائی جائے اور وہ مہر کر لے بدلہ نہ لے تو اللہ اس کے درجے بڑھاتا ہے اور اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے“ اس انصاریؓ نے یہ سن کر کہا ”کیا سچ؟ آپؓ نے خود ہی اسے حضورؐ کی زبانی سنا ہے؟“ آپؓ نے فرمایا ہاں میرے ان کا انوں نے سنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے اس نے کہا پھر گواہ ہو کہ میں نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا۔ حضرت معاویہؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے انعام دیا (ابن جریر) ترمذی میں بھی یہ روایت ہے لیکن امام ترمذیؒ کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔ ابوسفر راوی کا ابورواہؓ سے سننا ثابت نہیں۔ اور روایت میں ہے کہ تمین گئی دیت وہ دینا چاہتا تھا لیکن یہ راضی نہیں ہوا تھا اس میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جو شخص خون یا اس سے کم کو معاف کر دے وہ اس کی پیدائش سے لے کر موت تک کا کفارہ ہے“۔ مسند میں ہے کہ جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے اتنے ہی گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ مسند میں یہ بھی حدیث ہے ”اللہ کے حکم کے مطابق حکم نہ کرنے والے ظالم ہیں“۔ پہلے گزر چکا ہے کہ کفر کفر سے کم ہے عظم میں بھی تفاوت ہے اور فسق میں بھی درجے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۚ وَلِيَحْكُمَ أَهْلَ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسٰی بن مریمؑ کو بھیجا جو اپنے سے آگے کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرتے تھے اور وہ سراسر ہدایت و نصیحت تھی پارسا لوگوں کے لئے ○ انجیل والوں کو بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق حکم کریں جو اللہ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں وہ بدکار فاسق ہیں ○

باطل کے غلام لوگ: ☆ ☆ (آیت: ۴۶-۴۷) انبیاء عیسیٰ اور اسماعیل کے پیچھے ہم عیسٰی نبی کو لائے جو توریت پر ایمان رکھتے تھے اس کے احکام کے مطابق لوگوں میں فیصلے کرتے تھے ہم نے انہیں بھی اپنی کتاب انجیل دی جس میں حق کی ہدایت تھی اور شبہات اور مشکلات کی توضیح تھی اور پہلی الہامی کتابوں کی تصدیق تھی ہاں چند مسائل جن میں یہودی اختلاف کرتے تھے ان کے صاف فیصلے اس میں موجود تھے۔ جیسے قرآن میں اور جگہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا میں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کروں گا جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ اسی لئے علماء کا مشہور مقولہ ہے کہ انجیل نے توریت کے بعض احکام منسوخ کر دیے ہیں۔ انجیل سے پارسا لوگوں کی رہنمائی اور وعظ و پند ہوتی تھی کہ وہ نیکی کی طرف رغبت کریں اور برائی سے بچیں۔ اَھْلُ الْاَنْجِلِ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں وَالَّذِیْ حُكِّمَ میں لام سے کے معنی میں ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو انجیل اس لئے دی تھی کہ وہ اپنے زمانے کے اپنے ماننے والوں کو اسی کے مطابق چلائیں اور اس لام کو لام کلام سمجھا جائے اور مشہور قراءۃ وَالَّذِیْ حُكِّمَ پڑھی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ انہیں چاہئے کہ انجیل کے کل احکام پر ایمان لائیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کریں۔ جیسے اور آیت میں ہے قُلْ یَاۡھِلَ الْکِتٰبِ لَسْتُ عَلٰی شَیْءٍ اِلٰہٍ یعنی اے اہل کتاب جب تک تم توریت و انجیل پر اور جو کچھ اللہ کی طرف اترا ہے اگر اس پر قائم نہیں ہو تو تم کسی چیز پر نہیں ہو۔ اور آیت میں ہے اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاِخْلَاقِ جو لوگ اس رسول نبی (ﷺ) کی تابعداری کرتے ہیں جس کی صفت اپنے ہاں توریت میں لکھی ہوئی پاتے ہیں وہ جو لوگ جو کتاب اللہ اور اپنے نبی کے فرمان کے مطابق حکم نہ کریں وہ اللہ کی اطاعت سے خارج حق کے تارک اور باطل کے عامل ہیں یہ آیت نصرائیوں کے حق میں ہے۔ روش آیت سے بھی یہ ظاہر ہے اور پہلے بیان بھی گزر چکا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ يَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهِّمِنًا عَلَیْهِ فَاَحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۡهُمْ عَمَّا جَاۡءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِکُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلْکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَلٰکِنْ لِّیَبْلُوْکُمْ فِیْ مَا اَتٰکُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فِیْتَبٰرَکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵۸

ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔ سو تو ان کے آپس کے معاملات میں اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کر اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ لگ تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے اگر منظور ہوئی ہو تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیا لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزماے تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو تم

سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے ○

قرآن ایک مستقل شریعت ہے: ☆ ☆ (آیت: ۲۸) تورات و انجیل کی ثناء و صفت اور تعریف و مدحت کے بعد اب قرآن عظیم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ ”ہم نے اسے حق و صداقت کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ یہ بالیقین اللہ واحد کی طرف سے ہے اور اسی کا کلام ہے۔ یہ تمام پہلی الہی کتابوں کو سچا مانتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت و ثناء موجود ہے اور یہ بھی بیان ان میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب آخری اور افضل رسول پر اتارے گی۔ پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اسے مانتا ہے۔“

جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ الْخَ، جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل جھڑے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا وعدہ سچا ہے اور وہ سچا ثابت ہو چکا اس نے اگلے رسولوں کی زبانی جو خبر دی تھی وہ پوری ہوئی اور آخری رسول رسول آج ہی آئے گئے۔ اور یہ کتاب ان پہلی کتابوں کی امین ہے۔ یعنی اس میں جو کچھ ہے وہی پہلی کتابوں میں بھی تھا اب اس کے خلاف کوئی کہے کہ فلاں پہلی کتاب میں یوں ہے تو یہ غلط ہے۔ یہ ان کی جی گواہ اور انہیں گھیر لینے والی اور سمیٹ لینے والی ہے۔ جو جو اچھائیاں پہلے کی تمام کتابوں میں جمع تھیں وہ سب اس آخری کتاب میں یکجا موجود ہیں۔ اسی لئے یہ سب پر حاکم اور سب پر مقدم ہے اور اس کی حفاظت کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہے جیسے فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَخٰفِضُوْنَ بعض نے کہا ہے مراد اس سے یہ ہے کہ حضور اس کتاب پر امین ہیں۔ واقع میں تو یہ قول بہت صحیح ہے لیکن اس آیت کی تفسیر یہ کرنی ٹھیک نہیں بلکہ عربی زبان کے اعتبار سے بھی یہ غور طلب امر ہے۔ صحیح تفسیر پہلی ہی ہے امام ابن جریر نے بھی حضرت مجاہدؒ سے اس قول کو نقل کر کے فرمایا ہے ”یہ بہت دور کی بات ہے بلکہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے مہینجوں کا عطف مصدق پر ہے پس یہ بھی اسی چیز کی صفت ہے جس کی صفت مصدق کا لفظ تھا۔ اگر حضرت مجاہدؒ کے معنی صحیح مان لئے جائیں تو عبارت بغیر عطف کے ہونی چاہئے تھی۔“

وَاِنْ اَحْكَمَ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ
اَهْوَاءَهُمْ وَاَحْذَرُهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ
اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْنَا اَمَّا يَرْيَدُ اللّٰهُ اَنْ
يُّصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ
لَفٰسِقُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَفْحَكَمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَّمَنْ اَحْسَنُ مِّنَ
اللّٰهِ حُكْمًا لِّلْقَوْمِ يُوْقِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

آپ ان کے باہمی معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے ان سے ہوشیار رہ کہ کہیں یہ تجھے اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کر دیں اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو تو یقین کر لے کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے دی لی۔ اکثر لوگ بے حکم ہی ہوتے ہیں ○ کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے ○

(آیت: ۵۰) خواہ عرب ہوں خواہ عجم ہوں خواہ لکھے پڑھے ہوں خواہ ان پڑھ ہوں۔ اللہ کی طرف سے نازل کردہ سے مراد وحی اللہ ہے خواہ وہ اس کتاب کی صورت میں ہو خواہ جو پہلے احکام اللہ نے مقرر کر رکھے ہوں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے تو آپ کو آزادی دی گئی تھی۔ اگر چاہیں ان میں فیصلے کریں چاہیں نہ کریں لیکن اس آیت نے حکم دیا کہ وحی الہی کے ساتھ ان میں فیصلہ کرنے

ضروری ہیں۔ ان بد نصیب جاہلوں نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ لئے ہیں اور ان کی وجہ سے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے، خبردار اے نبی تو ان کی چابوتوں کے پیچھے لگ کر حق کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے راستہ اور طریقہ بنا دیا ہے۔ کسی چیز کی طرف ابتداء کرنے کو شرعاً کہتے ہیں۔ منہاج لغت میں کہتے ہیں واضح اور آسان راستے کو۔ پس ان دونوں لفظوں کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔ پہلی تمام شریعتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں وہ سب توحید پر مشتمل تھیں البتہ چھوٹے موٹے احکام میں قدرے ہیر پھیر تھا۔ جیسے حدیث شریف میں ہے ”ہم سب انبیاء علاقائی بھائی ہیں ہم سب کا دین ایک ہی ہے ہر نبی توحید کے ساتھ بیجا جاتا رہا اور ہر آسمانی کتاب میں توحید کا بیان اس کا ثبوت اور اسی کی طرف دعوت دی جاتی رہی۔“

جیسے قرآن فرماتا ہے کہ تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے ان سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو اور امت میں ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا لِّكُلِّ بِلْغٍ رَّسُولًا ہم نے ہر امت کو زبان رسول کھلوا دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو۔ احکام کا اختلاف ضرور کوئی چیز کسی زمانے میں حرام تھی، پھر حلال ہو گئی یا اس کے برعکس یا کسی حکم میں تخفیف تھی اب تاکید ہو گئی یا اس کے خلاف اور یہ بھی حکمت اور مصلحت اور حجت ربانی کے ساتھ مثلاً توریت ایک شریعت ہے انجیل ایک شریعت ہے قرآن ایک مستقل شریعت ہے تاکہ ہر زمانے کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کا امتحان ہو جایا کرے۔ البتہ توحید سب زمانوں میں یکساں رہی اور امتی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اے امت محمد تم میں سے ہر شخص کے لئے ہم نے اپنی اس کتاب قرآن کریم کو شریعت اور طریقہ بنایا ہے۔ تم سب کو اس کی اقتدا اور تابعداری کرنی چاہئے۔ اس صورت میں جَعَلْنَا کے بعد ضمیرہ کی مخدوف ماضی پڑے گی۔ پس بہترین مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور طریقہ صرف قرآن کریم ہی ہے لیکن صحیح قول پہلا یہ ہے اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ہی فرمان ہوا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ اگلا خطاب صرف اس امت سے ہی نہیں بلکہ سب امتوں سے ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور کامل قدرت کا بیان ہے کہ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی شریعت اور دین پر کر دیتا۔ کوئی تبدیلی کسی وقت نہ ہوتی۔ لیکن رب کی حکمت کا ملکہ کا تقاضا یہ ہوا کہ علیحدہ علیحدہ شریعتیں مقرر کرے ایک کے بعد دوسرا نبی بھیجے اور بعض احکام اگلے نبی کے پچھلے نبی سے بدلوا دے یہاں تک کہ تمام اگلے دین حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے منسوخ ہو گئے اور آپ تمام روئے زمین کی طرف بھیجے گئے اور خاتم الانبیاء بنا کر بھیجے گئے۔ یہ مختلف شریعتیں صرف تمہاری آزمائش کے لئے ہوئیں تاکہ تابعداروں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا ملے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں اس نے دی ہے یعنی کتاب۔ پس تمہیں خیرات اور نیکیوں کی طرف سبقت اور دوڑ کرنی چاہئے۔ اللہ کی اطاعت اس کی شریعت کی فرمانبرداری کی طرف آگے بڑھنا چاہئے اور اس آخری شریعت، آخری کتاب اور آخری پیغمبر کی بدل و جاں فرماں برداری کرنی چاہئے۔ لوگو تم سب کا مرجع و ماویٰ اور لوٹنا پھیرنا اللہ ہی کی طرف ہے۔ وہاں وہ تمہیں تمہارے اختلاف کی اصلیت بتا دے گا، چوں کہ ان کی سچائی کا چھانچھل دے گا اور بروں کو ان کی کج بختی، سرکشی اور خواہش نفس کی پیروی کی سزا دے گا۔

جو حق کو ماننا تو ایک طرف بلکہ حق سے چڑتے ہیں اور مقابلے کرتے ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں مراد امت محمد ﷺ ہے مگر اول ہی اولیٰ ہے۔ پھر پہلی بات کی اور تاکید ہو رہی ہے اور اس کے خلاف سے روکا جاتا ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ ”دیکھو کہیں ان خائن، مکڑ، کذاب کفار یہود کی باتوں میں آکر اللہ کے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ ہوجانا۔ اگر وہ تیرے احکام سے روگردانی کریں اور شریعت کے خلاف کریں تو تو سمجھ لے کہ ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے اللہ کا کوئی عذاب ان پر آنے والا ہے۔ اسی لئے توفیق خیران سے چھین لی گئی۔ اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اطاعت حق سے خارج۔ اللہ کے دین کے مخالف ہدایت سے دور ہیں۔“ جیسے فرمایا وَمَا أَكْثَرَ النَّاسَ وَلَوْ خَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ یعنی گو تو

حرص کر کے چاہے لیکن اکثر لوگ مومن نہیں ہیں۔ اور فرمایا وَإِنْ تَطَلَّعْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اِغْرُوزِ مَنِ الْوَالُوں کی اکثریت کی مانے گا تو وہ تجھے بھی راہ حق سے بہکا دیں گے۔ یہودیوں کے چند بڑے بڑے رئیسوں اور عالموں نے آپس میں ایک میٹنگ کر کے حضور مکی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں اگر ہم آپ کو مان لیں تو تمام یہود آپ کی نبوت کا اقرار کر لیں گے اور ہم آپ کو ماننے کے لئے تیار ہیں آپ صرف اتنا کہجئے کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے اس کا فیصلہ ہمارے مطابق کر دیجئے۔ آپ نے انکار کر دیا اور اسی پر یہ آیتیں اتریں۔

اس کے بعد جناب باری تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جو اللہ کے حکم سے ہٹ جائیں جس میں تمام بھلائیاں موجود اور تمام برائیاں دور ہیں۔ ایسے پاک حکم سے ہٹ کر رائے قیاس کی طرف خواہش نفسانی کی طرف اور ان احکام کی طرف جھکے جو لوگوں نے از خود اپنی طرف سے بغیر دلیل شرعی کے گھڑ لئے ہیں جیسے کہ اہل جاہلیت اپنی جہالت و ضلالت اور اپنی رائے اور اپنی مرضی کے مطابق حکم احکام جاری کر لیا کرتے تھے اور جیسے کہ تاریکی میں ملکی معاملات میں چنگیز خان کے احکام کی پیروی کرتے تھے جو ایسا حق نے گھڑ دیئے تھے۔ وہ بہت سے احکام کے مجموعے اور درقات تھے جو مختلف شریعتوں اور مذہبوں سے چھانٹے گئے تھے۔ یہودیت، نصرانیت، اسلامیت وغیرہ سب کے احکام کا وہ مجموعہ تھا اور پھر اس میں بہت سے احکام وہ بھی تھے جو صرف اپنی عقل اور مصلحت وقت کے پیش نظر ایجاد کئے گئے تھے جن میں اپنی خواہش کی ملاوت بھی تھی۔ پس وہی مجموعے ان کی اولاد میں قابل عمل ٹھہر گئے اور اسی کو کتاب و سنت پر فوقیت اور تقدیم دے لی۔ درحقیقت ایسا کرنے والے کافر ہیں اور ان سے جہاد واجب ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ کر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف آ جائیں اور کسی چھوٹے یا بڑے اہم یا غیر اہم معاملہ میں سوائے کتاب و سنت کے کوئی حکم کسی کا نہ لیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ جاہلیت کے احکام کا ارادہ کرتے ہیں اور حکم رب سے سرک رہے ہیں؟ یقیناً والوں کے لئے اللہ سے بہتر حکمران اور کارفرما کون ہوگا؟ اللہ سے زیادہ عدل و انصاف والے احکام کس کے ہوں گے؟ ایماندار اور یقین کامل والے بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ اس احکم الحاکمین اور الرحم الراحمین سے زیادہ اچھے صاف، سہل اور عمدہ احکام و قواعد اور مسائل و ضوابط کسی کے بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی مخلوق پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنی اولاد پر ہوتی ہے۔ وہ پورے اور پختہ علم والا، کامل اور عظیم الشان قدرت والا اور عدل و انصاف والا ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں ”اللہ کے فیصلے کے بغیر جو فتویٰ دے اس کا فتویٰ جاہلیت کا حکم ہے۔“ ایک شخص نے حضرت طاؤسؓ سے پوچھا ”کیا میں اپنی اولاد میں سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دے سکتا ہوں؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ طبرانی میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”سب سے بڑا اللہ کا دشمن وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اور حیلہ تلاش کرے اور بے وجہ کسی کی گردن مارنے کے درپے ہو جائے۔“ یہ حدیث بخاری میں بھی قدرے الفاظ کی زیادتی کے ساتھ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى
أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ٥٥

اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ انہی میں سے ہے۔ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا ○

دشمن اسلام سے دوستی منع ہے: ☆ ☆ (آیت: ۵۱-۵۲) دشمنان اسلام یہود و نصاریٰ سے دوستیاں کرنے کی اللہ تبارک و تعالیٰ ممانعت فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ ”وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ تمہارے دین سے انہیں بغض و عداوت ہے۔ ہاں اپنے والوں سے ان کی دوستیاں اور محبتیں ہیں۔ میرے نزدیک تو جو بھی ان سے دلی محبت رکھے وہ انہی میں سے ہے۔“ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کو اس بات پر پوری تنبیہ کی اور یہ آیت پڑھ سنائی۔ حضرت عبداللہ بن عقبہؓ نے فرمایا لوگو! تمہیں اس سے بچنا چاہئے کہ تمہیں خود تو معلوم نہ ہو اور تم اللہ کے نزدیک یہود و نصرانی بن جاؤ۔ ہم سمجھ گئے کہ آپ کی مراد اسی آیت کے مضمون سے ہے۔ ابن عباسؓ سے عرب نصرانیوں کے ذبیحہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔ جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ تو لپک لپک کر پوشیدہ طور پر ان سے ساز باز اور محبت و دوست کرتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے اگر مسلمانوں پر یہ لوگ غالب آ گئے تو پھر ہماری جان ہی کر دیں گے۔ اس لئے ہم ان سے بھی میل ملاپ رکھتے ہیں۔ ہم کیوں کسی سے بگاڑیں؟

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرَوْا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۝ وَ يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ أَنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتِ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ۝

تو دیکھے گا کہ جن کے دل میں بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے۔ پھر تو اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر بے طرح نادم ہونے لگیں ○ اور ایماندار کہیں گئے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے ○

(آیت: ۵۲-۵۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ممکن ہے اللہ مسلمانوں کو صاف طور پر غالب کر دے مگر بھی ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے۔ فیصلے اور حکم ان ہی کے چلنے لگیں، حکومت ان کے قدموں میں سر ڈال دے۔ یا اللہ تعالیٰ اور کوئی چیز اپنے پاس سے لائے یعنی یہود و نصاریٰ کو مغلوب کر کے انہیں ذلیل کر کے ان سے جزیہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دے دے۔ پھر تو یہ منافقین جو آج لپک لپک کر ان سے گہری دوستی کرتے پھرتے ہیں بڑے بھانے لگیں گے اور اپنی اس چالاکی پر خون کے آنسو بہانے لگیں گے۔ ان کے پردے کھل جائیں گے اور یہ جیسے اندر تھے ویسے ہی باہر سے نظر آئیں گے۔ اس وقت مسلمان ان کی مکاریوں پر تعجب کریں گے اور کہیں گے اے لو یہی وہ لوگ ہیں جو بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں۔ انہوں نے جو پایا تھا وہ کھو دیا تھا اور برا بھلا ہو گئے۔ وَ يَقُولُ تُوْ جَمْهُورُ كِي قُرَات هِے۔ ايك قُرَات بغير واؤ كے همي هِے۔ اهل مدينه كِي همي قُرَات هِے يَقُولُ تُو مبتدا هِے اور دوسري قُرَات اس كِي يَقُولُ هِے تُو يه فَعَسَىٰ پُر عطف هوگا گويا وَ اَنْ يَقُولُ هِے۔

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ احد کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس یہودی سے دوستی کرتا ہوں تاکہ موقع پر مجھے نفع پہنچے

دوسرے نے کہا میں فلاں نصرانی کے پاس جاتا ہوں اس سے دوستی کر کے اس کی مدد کروں گا۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ مکرّمہ فرماتے ہیں ”لبابہ بن عبدالمند رکے بارے میں یہ آیتیں اتریں جبکہ حضورؐ نے انہیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ حضورؐ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ تو آپ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کرادیں گے۔“ ایک روایت میں ہے کہ یہ آیتیں عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں اتری ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے حضرتؐ سے کہا کہ بہت سے یہودیوں سے میری دوستی ہے مگر میں ان سب کی دوستیاں توڑتا ہوں۔ مجھے اللہ رسولؐ کی دوستی کافی ہے۔ اس پر اس منافق نے کہا میں دور اندیش ہوں دور کی سوچنے کا عادی ہوں۔ مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔ نہ جانے کس وقت کیا موقعہ پڑ جائے؟ حضورؐ نے فرمایا اے عبداللہ تو عبادہؓ کے مقابلے میں بہت ہی گھائے میں رہا اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ ”جب بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض مسلمانوں نے اپنے ملنے والے یہودیوں سے کہا کہ یہی تمہاری حالت ہو اس سے پہلے ہی تم اس دین برحق کو قبول کر لو انہوں نے جواب دیا کہ چند قریشیوں پر جوڑائی کے فنون سے بے بہرہ ہیں فتح مندی حاصل کر کے کہیں تم مغرور نہ ہو جانا ہم سے اگر پالا پڑا تو ہم تو تمہیں بتا دیں گے کہ لڑائی کسے کہتے ہیں۔ اس پر حضرت عبادہؓ اور عبداللہ بن ابی کا وہ مکالمہ ہوا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ جب یہودیوں کے اس قبیلہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور بفضل رب یہ غالب آگئے تو اب عبداللہ بن ابی آپ سے کہنے لگا حضورؐ میرے دوستوں کے معاملہ میں مجھ پر احسان کیجئے۔ یہ لوگ خزعرج کے ساتھی تھے۔ حضورؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا اس نے پھر کہا آپ نے منہ موڑ لیا آپ کے دامن سے چپک گیا آپ نے غصہ سے فرمایا کہ چھوڑو اُس نے کہا نہیں یا رسول اللہ! میں نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ ان کے بارے میں احسان کریں ان کی بڑی پوری جماعت ہے اور آج تک یہ لوگ میرے طرفدار رہے اور ایک ہی دن میں یہ سب ناکے گھاٹ اتر جائیں گے۔ مجھے تو آنے والی مصیبتوں کا کھٹکا ہے۔ آخر حضورؐ نے فرمایا جاوہ سیرے لئے ہیں۔“ ایک روایت میں ہے کہ جب بنو قریظہ کے یہودیوں نے حضور ﷺ سے جنگ کی اور اللہ نے انہیں نچا دکھایا تو عبداللہ بن ابی ان کی حمایت حضورؐ کے سامنے کرنے لگا اور حضرت عبادہ بن صامتؓ نے باوجودیکہ یہ بھی ان کے حلیف تھے لیکن انہوں نے ان سے صاف برات ظاہر کی۔ اس پر یہ آیتیں اُتیں هُمْ الْغٰلِبُونَ تک اتریں مسند احمد میں ہے کہ ”اس منافق عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے حضورؐ تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا میں نے تو تجھے بارہا ان یہودیوں کی محبت سے روکا تو اس نے کہا سعد بن زرارہ تو ان سے دشمنی رکھتا تھا۔ وہ بھی مر گیا۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

اے ایمان والو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی۔ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے اور کسی غلامت کرنے والے کی غلامت کی پروا بھی نہ کریں گے یہ اللہ کا

قوت اسلام اور مرتدین: ☆ ☆ (آیت: ۵۳) اللہ رب العزت جو قادر و غالب ہے خرد بیتا ہے کہ اگر کوئی اس پاک دین سے مرتد ہو جائے تو وہ اسلام کی قوت گھٹائیں دے گا اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بدلے ان لوگوں کو اس سچے دین کی خدمت پر مامور کرے گا جو ان سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے جیسے اور آیت میں ہے وان تلتوا اور آیت میں ہے اِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ اَنْهَآ النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ اور جگہ فرمایا وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ الخ مطلب ان سب آجوں کا وہی ہے جو بیان ہوا۔ ارتد اذ کہتے ہیں حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھر جانے کو۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں ”یہ آیت سرداران قریش کے بارے میں اتری ہے“۔ حسن بصری فرماتے ہیں ”خلافت صدیق میں جو لوگ اسلام سے پھر گئے تھے ان کا حکم اس آیت میں ہے۔ جس قوم کو ان کے بدلے لانے کا وعدہ دے رہا ہے وہ اہل قادیہ ہیں یا قوم سبا ہے۔ یا اہل یمن ہیں جو کندہ اور سکون قبیلہ کے ہیں“۔ ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی پچھلی بات بیان ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعرئ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ اس کی قوم ہے۔

اب ان کامل ایمان والوں کی صفت بیان ہو رہی ہے کہ ”یہ اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کے سامنے تو بچھ جانے والے جھک جانے والے ہوتے ہیں اور کفار کے مقابلہ میں تن جانے والے ان پر بھاری پڑنے والے اور ان پر تیز ہونے والے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا اَشِدَّاءُ عَلٰی الْكُفَّارِ رَحَمَاءُ بَيْنَهُمْ حضور کی صفوں میں ہے کہ آپ خندہ مزاج بھی تھے اور قتال بھی یعنی دوستوں کے سامنے ہنس کھ خندہ رو اور دشمنان دین کے مقابلہ میں سخت اور جنگجو۔ سچے مسلمان راہ حق کے جہاد سے منہ موڑتے ہیں نہ پیٹھ دکھاتے ہیں نہ جھکتے ہیں نہ بزوری اور آرام طلبی کرتے ہیں نہ کسی کی مروت میں آتے ہیں نہ کسی کی ملامت کا خوف کرتے ہیں۔ وہ برابر اطاعت الہی میں اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں بھلائی کا حکم کرنے میں اور برائیوں سے روکنے میں مشغول رہتے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں ”مجھے میرے خلیل ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا ہے۔ مسکینوں سے محبت رکھنے ان کے ساتھ پیٹھے اٹھنے اور دنیوی امور میں اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو دیکھنے اور اپنے سے بڑھے ہوؤں کو نہ دیکھنے صلہ رحمی کرتے رہنے گو دوسرے نہ کرتے ہوں اور کسی سے کچھ بھی نہ مانگنے حق بات بیان کرنے کا گو وہ سب کو کڑوی لگے اور دین کے معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا اور بہ کثرت لاحول ولا قوۃ باللہ پڑھنے کا“ کیونکہ یہ کلمہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے۔“ (مسند احمد)

ایک روایت میں ہے ”میں نے حضور سے پانچ مرتبہ بیعت کی ہے اور سات باتوں کی آپ نے مجھے یاد دہانی کی ہے اور سات مرتبہ اپنے اوپر اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اللہ کے دین کے بارے میں کسی کی بدگونی کی مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ مجھے ہلاک حضور نے فرمایا کیا مجھ سے جنت کے بدلے میں بیعت کرے گا؟ میں نے منظور کر کے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے شرط کی کسی سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ میں نے کہا بہت اچھا فرمایا اگرچہ کوڑا بھی ہو یعنی اگر وہ بھی گر پڑے تو خود سواری سے اتر کر لے لیتا۔“ (مسند احمد) حضور فرماتے ہیں ”لوگوں کی بیعت میں اگر حق گمونی نہ نہ رکنا یاد رکھو نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو امام احمد کی مسند۔ فرماتے ہیں خلاف شرع امر دیکھ کر سن کر اپنے آپ کو کفر و جان کر خاموش نہ ہو جانا۔ ورنہ اللہ کے ہاں اس کی باز پرس ہوگی۔ اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے چپ ہو گیا تو جناب باری تعالیٰ فرمائے گا میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا۔ (مسند احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قیامت کے دن ایک سوال یہ بھی کرے گا کہ تو نے لوگوں کو خلاف شرع کام کرتے دیکھ کر اس سے روکا کیوں نہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اسے جواب سمجھائے گا اور یہ کہے گا کہ پروردگار میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈر (ابن ماجہ) ایک اور صحیح حدیث میں ہے ”مومن کو نہ چاہئے کہ اپنے آپ کو ذلت میں ڈالے۔ صحابہؓ نے پوچھا یہ کس طرح؟ فرمایا ان بلاؤں کو اپنے اوپر لے

لے جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ پھر فرمایا اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ یعنی کمال ایمان کی یہ صفیں خاص اللہ کا عطیہ ہیں۔ اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے اس کا فضل بہت ہی وسیع ہے اور وہ کامل علم والا ہے خوب جانتا ہے کہ اس بہت بڑی نعمت کا مستحق کون ہے؟

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رُكْعُونَ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝

مسلمانوں تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں اور وہ خشوع و خضوع کرنے والے ہیں ○ جو شخص اللہ سے اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے وہ یقیناً مائے اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی ○

(آیت: ۵۵-۵۶) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے دوست کفار نہیں بلکہ حقیقتاً تمہیں اللہ سے اس کے رسول اور مومنوں سے دوستیاں رکھنی چاہئیں۔ مومن بھی وہ جن میں یہ صفیں ہوں کہ وہ نماز کے پورے پابند ہوں جو اسلام کا اعلیٰ اور بہترین رکن ہے اور صرف اللہ کا حق ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو اللہ کے ضعیف مسکین بندوں کا حق ہے اور آخری جملہ جو ہے اس کی نسبت بعض لوگوں کو دوہم سا ہو گیا ہے کہ یہ یُوْتُوْنَ الزَّكَاةَ سے حال واقع ہے یعنی رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر اسے مان لیا جائے تو یہ تو نمایاں طور پر ثابت ہو جائے گا کہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دینا افضل ہے حالانکہ کوئی عالم اس کا قائل ہی نہیں۔ ان دوہمیوں نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی طالب نماز کے رکوع میں تھے جو ایک سائل آ گیا تو آپ نے اپنی انگلی اتار کر اسے دے دی وَالَّذِينَ آمَنُوا سے مراد بقول عقبہ جملہ مسلمان اور حضرت علیؑ ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری ہے۔

ایک مرفوع حدیث میں بھی انگلی کا قصہ ہے اور بعض دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے لیکن سند ایک کی بھی صحیح نہیں رجال ایک کے بھی ثقہ اور ثابت نہیں۔ پس یہ واقعہ بالکل غیر ثابت شدہ ہے اور صحیح نہیں۔ ٹھیک وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب آیتیں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ انہوں نے کھلے لفظوں میں یہودی کی دوستی توڑی اور اللہ اور اس کے رسول اور با ایمان لوگوں کی دوستی پر راضی ہو گئے اسی لئے ان تمام آیتوں کے آخر میں فرمان ہوا کہ ”جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھے وہ اللہ کے لشکر میں داخل ہے اور یہی اللہ کا لشکر غالب ہے“۔ جیسے فرمان باری ہے كَتَبَ اللَّهُ لَنَا غَلِبَةً ۖ اَنَا وَرُسُلِي ۖ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ تَعَالٰی یہ دیکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور رسول کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی پسند نہ آئے گا چاہے وہ باپ بیٹے بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگوں میں سے ہی کیوں نہ ہو یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے رب ان سے راضی ہے اللہ سے خوش ہیں۔ یہی اللہ کے لشکر ہیں اور اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔ پس جو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کی دوستیوں پر راضی اور رضا مند ہو جائے وہ دنیا میں فاتح ہے اور آخرت میں فلاح پانے والا ہے۔ اسی لئے اس آیت کو بھی اس جملے پر ختم کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ
هُزُوءًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارِ
أُولِيَاءُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِذَا نَادَيْتُمُ إِلَى
الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوءًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا
يَعْقِلُونَ ۝

مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بنانا جو تمہارے دین کو کسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے خواہ کفار ہوں۔ اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ○ جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اسے کسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں یا اس واسطے کہ یہ بے عقل ہیں ○

اذان اور دشمنان دین ☆ ☆ (آیت: ۵۷-۵۸) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محبت سے نفرت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ ”کیا تم ان سے دوستیاں کرو گے جو تمہارے ظاہر و ظہر دین کی نفی اڑاتے ہیں اور اسے ایک باز بچہ اطفال بنائے ہوئے ہیں۔“ من بیان جس کے لئے جیسے مِنَ الْآثَانِ میں۔ بعض نے و الکفار پڑھا ہے اور عطف والا ہے اور بعض نے و الکفار پڑھا ہے اور لَا تَتَّخِذُوا کا نیا معمول بنایا ہے تو تقدیر عبارت ولا الکفار اولیاء ہوگی کفار سے مراد مشرکین ہیں۔ ابن مسعود کی قرأت میں ومن الذین اشرکوا ہے۔ اللہ سے ڈرو اور ان سے دوستیاں نہ کرو اگر تم سچے مومن ہو۔ یہ تو تمہارے دین کے اللہ کی شریعت کے دشمن ہیں۔ جیسے فرمایا لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْآثَانَ مَوْنُونَ کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں نہ کریں اور جو ایسا کرنے وہ اللہ کے ہاں کسی بھلائی میں نہیں۔ ہاں ان سے بچنا و مقصود ہو تو اہل بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اسی طرح یہ کفار اہل کتاب اور مشرک اس وقت بھی مذاق اڑاتے ہیں جب تم نمازوں کے لئے لوگوں کو پکارتے ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پیاری عبادت ہے لیکن یہ بے وقوف اتنا بھی نہیں جانتے اس لئے کہ یہ قبیح شیطان ہیں۔ اس کی یہ حالت ہے کہ اذان سنتے ہی بدبو چھوڑ کر دم دبائے بھاگتا ہے اور وہاں جا کر ٹھہرتا ہے جہاں اذان کی آواز نہ نہ پائے۔ اس کے بعد آ جاتا ہے۔ پھر تکبیر سن کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی آ کر اپنے بہکاوے میں لگ جاتا ہے انسان کو ادھر ادھر کی بھولی بھری باتیں یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ اسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ نماز کی کتنی رکعت پڑھیں؟ جب ایسا ہو تو وہ مجیدہ سو کر لے (متفق علیہ)۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں ”اذان کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت کی۔“ ایک نضرانی مدینے میں تھا۔ اذان میں سے گھر میں آگ لگ گئی وہ شخص اس کا گھر بار سب جل کر ختم ہو گیا۔ فتح مکہ والے سال حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو کہنے میں اذان کہنے کا حکم دیا جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ سنتا تو کہتا کذاب جل جائے۔ ایک مرتبہ رات کو اس کی خادمہ گھر میں آگ لائی، کوئی پتنگا اڑا جس قریب ہی ابوسفیان بن حربؓ عتاب بن اسیدؓ حارث بن ہشامؓ بیٹھے ہوئے تھے عتاب نے تو اذان سن کر کہا میرے باپ پر تو اللہ کا فضل ہوا کہ وہ اس قصہ دلانے والی آواز کے سننے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسا۔ حارث کہنے لگا اگر میں اسے سچا جانتا تو مان ہی نہ لیتا۔ ابوسفیان نے کہا بھی میں تو کچھ بھی زبان سے نہیں نکالتا، ڈر ہے کہ کہیں یہ نکلیں یا اسے خبر نہ کریں۔ انہوں نے باتیں ختم کی ہی تھیں کہ حضورؐ آ گئے اور فرمانے لگے اس وقت تم نے یہ یہ باتیں کیں ہیں یہ سنتے ہی عتاب اور حارث تو بول پڑے کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ اللہ

کے سچے رسول ہیں یہاں تو کوئی چوتھا تھا ہی نہیں، درنگان کر سکتے تھے کہ اس نے جا کر آپؐ سے کہہ دیا ہوگا (سیرۃ محمد بن اسحاق)

حضرت عبداللہ بن جبیر جب شام کے سفر کو جانے لگے تو حضرت محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کی گود میں انہوں نے ایام یتیمی بسر کئے تھے کہا آپؐ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے تو آپؐ اپنے واقعات تو مجھے بتا دیجئے۔ فرمایا ہاں سنو۔ جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے راستے میں ہم لوگ ایک جگہ رکے تو نماز کے وقت حضورؐ کے مؤذن نے اذان کہی، ہم نے اس کا مذاق اڑانا شروع کیا، کہیں آپؐ کے کان میں بھی آوازیں پڑ گئیں۔ سپاہی آیا اور ہمیں آپؐ کے پاس لے گیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا تو آپؐ نے اور سب کو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا اٹھو ”اذان کہو“ واللہ اس وقت حضورؐ کی ذات سے اور آپؐ کی فرماں برداری سے زیادہ بڑی چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بے بس تھا، کھڑا ہو گیا، اب خود آپؐ نے مجھے اذان سکھائی اور جو سکھاتے رہے میں کہتا رہا پھر اذان پوری بیان کی۔ جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپؐ نے مجھے ایک خلی دی جس میں چاندی تھی، پھر اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پیچھے تک لائے۔ پھر فرمایا اللہ تجھ پر اپنی برکت نازل کرے۔ اب تو اللہ کی قسم میرے دل سے رسولؐ کی عداوت بالکل جاتی رہی، ایسی محبت حضورؐ کی دل میں پیدا ہو گئی میں نے آرزو کی کہ کئے کا مؤذن حضورؐ کو بنادیں۔ آپؐ نے میری یہ درخواست منظور فرمائی اور میں کے میں چلا گیا اور وہاں کے گورنر حضرت عتاب بن اسیدؓ سے مل کر اذان پر مامور ہو گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کا نام سر میر بن مغیرہ بن لوذان تھا۔ حضورؐ کے چار مؤذنین میں سے ایک آپؐ تھے اور لمبی مدت تک آپؐ اہل مکہ کے مؤذن رہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاه۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقُمُوْنَ مِنَّا اِلَّا اَنْ اَمَّا بِاللّٰهِ
وَمَا اَنْزَلْ اِلَيْنَا وَمَا اَنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنْ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ
قُلْ هَلْ اَكْبِتُكُمْ بِشَرِّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَن
لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ
وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاِ
السَّبِيْلِ وَاِذَا جَاؤُكُمْ قَالُوْا اَمَّا وَاَمَّا وَقَدْ دَخَلُوْا بِالْكَفْرِ
وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ

کہہ دے کہ اے یہود، عیسائی اور نصاریٰ! تم ہم سے صرف اسی وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لئے بھی کہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں ○ کہہ کر کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے بھی زیادہ برے بدلے والے اللہ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصے ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنادیا اور وہ جنہوں نے عبودان باطل کی پرستش کی، یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ ہٹکے والے ہیں ○ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے بھی؟ یہ کچھ چھپا رہے ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ خوب دانا ہے ○

بدترین گروہ اور اس کا انجام: ☆ ☆ (آیت: ۵۹-۶۱) حکم ہوتا ہے کہ جو اہل کتاب تمہارے دین پر مذاق اڑاتے ہیں ان سے کہو کہ تم

نے جو دشمنی ہم سے کر رکھی ہے اس کی کوئی وجہ اس کے سوائے اس کے ہم اللہ پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس دراصل نہ تو یہ کوئی وجہ بغض ہے نہ سبب مذمت؛ بہ استثناء منقطع ہے۔ اور آیت میں ہے وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ یعنی انہوں نے تنہی کہ وہ اللہ عز و مجد کو ماننے تھے۔ اور جیسے اور آیت میں ہے وَمَا نَقَمُوا اِلَّا اَنْ اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ یعنی انہوں نے صرف اس کا انتقام لیا ہے کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور رسول نے مال دے کر غنی کر دیا ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے ”ابن عباس اسی کا بدلہ لیتا ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ نے اسے غنی کر دیا اور یہ کہ تم میں سے اکثر صراط مستقیم سے الگ اور خارج ہو چکے ہیں۔ تم جو ہماری نسبت گمان رکھتے ہو آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں سے بدلہ پانے میں کون بدتر ہے؟ اور وہ تم ہو کیونکہ یہ خصلتیں تم میں ہی پائی جاتی ہیں۔ یعنی جسے اللہ نے لعنت کی ہو اپنی رحمت سے دور بھیج دیا ہو اس پر غضبناک ہوا ہو ایسا جس کے بعد رضا مند نہیں ہوگا اور جن میں سے بعض کی صورتیں بگاڑ دی ہوں بندہ اور سور بنا دیے ہوں۔“ اس کا پورا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ حضورؐ سے سوال ہوا کہ کیا یہ بندہ و سور وہی ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا ”جس قوم پر اللہ کا ایسا عذاب نازل ہوتا ہے ان کی نسل ہی نہیں ہوتی“ ان سے پہلے بھی سور اور بندہ تھے۔“

روایت مختلف الفاظ میں صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ منہد میں ہے کہ ”جنوں کی ایک قوم سانپ بنا دی گئی تھی۔ جیسے کہ بندہ اور سور بنا دیے گئے۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ انہی میں سے بعض کو غیر اللہ کے پرستار بنا دیے۔ ایک قرأت میں اضافت کے ساتھ طاغوت کی زیر سے بھی ہے۔ یعنی انہیں جنوں کا غلام بنا دیا۔ حضرت بریدہؓ اسی عَابِدُ الطَّاغُوتِ پڑھتے تھے۔ حضرت ابو جعفر قارئی سے وَعَبْدُ الطَّاغُوتِ بھی منقول ہے جو بعد از معنی ہو جاتا ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ تم ہی وہ جو جنوں نے طاغوت کی عبادت کی۔ الغرض اہل کتاب کو الزام دیا جاتا ہے کہ ہم پر تو عیب گیری کرتے ہو حالانکہ ہم موحد ہیں۔ صرف ایک اللہ بحق کے ماننے والے ہیں اور تم تو وہ ہو کہ مذکورہ سب برائیاں تم میں ہی پائی گئیں۔ اسی لئے خاتمے پر فرمایا کہ یہی لوگ باعتبار قدر و منزلت کے بہت برے ہیں اور باعتبار گمراہی کے انتہائی غلط راہ پر پڑے ہوئے ہیں۔ اس فعل انفصیل میں دوسری جانب کچھ مشارکت نہیں اور یہاں تو سرے سے یہی نہیں۔ جیسے اس آیت میں اَصْحَابُ الْحَنَةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيلًا پھر منافقوں کی ایک اور بد خصلت بیان کی جا رہی ہے کہ ”ظاہر میں تو وہ مومنوں کے سامنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے باطن کفر سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ تیرے پاس کفر کی حالت میں آتے ہیں اور اسی حالت میں تیرے پاس سے جاتے ہیں تو تیری باتیں تیری نصیحتیں ان پر کچھ اثر نہیں کرتیں۔ بھلا یہ پردہ داری انہیں کیا کام آئے گی جس سے ان کا معاملہ ہے وہ تو عالم الغیب ہے دلوں کے بھید اس پر روشن ہیں وہاں جا کر پورا پورا بدلہ لے لیتا پڑے گا۔“

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ
السَّحْتِ لَيْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٥﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ
الرَّبِّيُّونَ وَاَلْحَبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السَّحْتِ
لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦﴾

تو دیکھے گا کہ ان میں سے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم و زیادتی کی طرف اور مال حرام کے کھانے کی طرف لپک رہے ہیں۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ یقیناً نہایت

برے کام ہیں ○ انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بے شک بہت برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں ○

(آیت: ۶۲-۶۳) تو دیکھ رہا ہے کہ یہ لوگ گناہوں پر حرام پر اور باطل کے ساتھ لوگوں کے مال پر کس طرح چڑھ دوڑتے ہیں؟ ان کے اعمال نہایت ہی خراب ہو چکے ہیں۔ ان کے اولیاء اللہ یعنی عابد و عالم اور ان کے علماء انہیں ان باتوں سے کیوں نہیں روکتے؟ دراصل ان کے علماء اور پیروں کے اعمال بدترین ہو گئے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”علماء اور فقہاء کی ڈانٹ کے لئے اس سے زیادہ سخت آیت کوئی نہیں“۔ حضرت ضحاک سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت علیؓ نے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا ”لوگو تم سے اگلے لوگ اسی بنا پر ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ برائیاں کرتے تھے تو ان کے عالم اور اللہ والے خاموش رہتے تھے جب یہ عادت ان میں پختہ ہو گئی تو اللہ نے انہیں قسم کی سزائیں دیں۔ پس تمہیں چاہئے کہ بھلائی کا حکم کر دہرائی سے روکو اس سے پہلے کہ تم پر بھی وہی عذاب آجائیں جو تم سے پہلے والوں پر آئے یقین رکھو کہ اچھائی کا حکم دہرائی سے ممانعت نہ تو تمہاری روزی گھٹائے گا نہ تمہاری موت قریب کر دے گا“ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”جس قوم میں کوئی اللہ کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے کی قدرت اور غلبے کے اسے نہ مٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا“ (مسند احمد) ابوداؤد میں ہے کہ ”یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آئے گا“۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ
وَلَعْنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدُهُ مَبْسُوطَتْنِ يُنْفِقُ كَيْفَ
يَشَاءُ وَلِيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ
رَّبِّكَ ظُفْيَانًا وَكَفْرًا وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ
أُطْفِئَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
الْمُفْسِدِينَ ﴿۶۵﴾

یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ کے تودوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا رہتا ہے۔ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے وہ ان میں کے اکثر کو لو اور سرکشی اور کفر میں بڑھا دیتا ہے ہم نے ان میں آپس میں ہی قیامت تک کے لئے عداوت و بغض ڈال دیا ہے وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو کھڑکانا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے۔ یہ ملک بھر میں شورش فساد مچاتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فساد یوں سے محبت نہیں کرتا ○

بخل سے بچو اور فضول خرچی سے ہاتھ روکو: ☆☆ (آیت: ۶۳) اللہ ملعون یہودیوں کا ایک غبیث قول بیان فرما رہا ہے کہ یہ اللہ کو بخیل کہتے تھے یہی لوگ اللہ فقیر بھی کہتے ہیں۔ اللہ کی ذات ان کے اس ناپاک مقولے سے بہت بلند و بالا ہے۔ پس اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ مطلب ان کا یہ نہ تھا کہ ہاتھ بکڑ دیئے گئے ہیں بلکہ مراد اس سے بخل تھا۔ یہی محاورہ قرآن میں اور جگہ بھی ہے۔ فرماتا ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ بِذَلِكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ الخ یعنی اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ بھی نہ لے اور نہ حد سے زیادہ پھیلا دے کہ پھر تھکان اور ندامت کے

ساتھ بیٹھ رہنا پڑے پس نکل سے اور اسراف سے اللہ نے اس آیت میں روکا۔ پس ملعون یہودیوں کی بھی ہاتھ باندھا ہوا ہونے سے یہی مراد تھی۔ فخاص نامی یہودی نے یہ کیا تھا اور اسی ملعون کا وہ دوسرا قول بھی تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ جس پر یہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اسے پٹا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ شام بن قیس نے یہی کہا تھا جس پر یہ آیت اتری۔ اور ارشاد ہوا کہ بخش اور کنجوس ذلیل اور بزدل یہ لوگ خود ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اگر یہ بادشاہ بن جائیں تو کسی کو کچھ بھی نہ دیں۔ بلکہ یہ تو اوروں کی نعمتیں دیکھ کر جلتے ہیں یہ ذلیل تر لوگ ہیں بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہیں وہ سب کچھ خرچ کرتا رہتا ہے۔ اس کا فضل وسیع ہے اس کی بخشش عام ہے ہر چیز کے خزانے اس کے ہاتھوں میں ہیں۔ ہر نعمت اس کی طرف سے ہے۔ ساری مخلوق دن رات ہر وقت ہر جگہ اسی کی محتاج ہے۔ فرماتا ہے وَانْتُمْ مِنْكُمْ مَنْ سَأَلَ تِلْكَ نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ”تم نے جو مانگا اللہ نے دیا اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے“ یعنی انسان بڑا ہی ظالم ہے حدنا شکرا ہے۔ ”مسند میں حدیث ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ اوپر ہے دن رات کا خرچ اس کے خزانے کو گھٹاتا نہیں شروع سے لے کر آج تک جو کچھ بھی اس نے اپنی مخلوق کو عطا فرمایا اس نے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس کا عرش پہلے پانی پر تھا اسی کے ہاتھ میں فیض ہی فیض ہے وہی بلند اور پست کرتا ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ ”لوگو تم میری راہ میں خرچ کرو تم کو دیے جاؤ گے“ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے۔ پھر فرمایا اے نبی! جس قدر اللہ کی نعمتیں تم پر زیادہ ہوں گی اتنا ہی ان شیاطین کا کفر حسد اور جلاپا بڑھے گا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح مومنوں کا ایمان اور ان کی تسلیم و اطاعت بڑھتی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے قُلْ هُوَ الَّذِي آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءً اَلْاٰیْمَانِ وَالْوَلَوْنَ كَلَّ لَ تَوِيْ بِرَاٰیْتِ وَشَفَاۤہِ اُوْرَبِ اٰیْمَانِ اِس سَ اِنْدَہِ سَہِرَے ہوتے ہیں۔ یہی ہیں جو دروازے سے پکارے جاتے ہیں۔ اور آیت میں ہے وَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ ہَم نے وہ قرآن اتارا ہے جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا تو نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ ان کے دلوں میں سے خود آپس کا بغض و عداوت بھی قیامت تک نہیں مٹے گا ایک دوسرے کا آپس میں ہی خون پینے والے لوگ ہیں ناممکن ہے کہ یہ حق پر جم جائیں۔ یہ اپنے ہی دین میں فرقہ فرقہ ہو رہے ہیں ان کے جھگڑے اور عداوتیں آپس میں جاری ہیں اور جاری رہیں گی۔ یہ لوگ بسا اوقات لڑائی کے سامان کرتے ہیں تیرے خلاف چاروں طرف ایک آگ بھڑکانا چاہتے ہیں لیکن ہر مرتبہ منہ کی کھاتے ہیں ان کا کمر انہی پر لوث جاتا ہے یہ مفسد لوگ ہیں اور اللہ کے دشمن ہیں۔ کسی مفسد کو اللہ اپنا دوست نہیں بناتا۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَ اتَّقُوا لَكُنَّا عَنْهُمْ سَيِّئَاتٍ ۚ وَلَا دَخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءٌ مَا يَعْمَلُونَ ۝

”یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں معاف فرما دیتے اور ضرور انہیں راحت و آرام کی جنتوں میں لے جاتے ۝ اور اگر یہ لوگ تورات و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ان پر پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے آپ پر نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے ایک

اور ستر سے اوپر اور فرقوں کی حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے جسے ہم نے اور جگہ بیان کر دیا ہے۔ فالحمد للہ۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَارْ
لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٥﴾

اے رسول پہنچادے جو کچھ بھی تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی تجھے اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچالے گا ہے شک اللہ تعالیٰ کافروں کی رہبری نہیں کرتا

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو چھپایا نہیں: ☆ ☆ (آیت: ۶۷) اپنے نبی کو رسول کے پیارے خطاب سے آواز دے کر اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل احکام لوگوں کو پہنچادو۔ حضور ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا صحیح بخاری میں ہے ”حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جو کچھ سے کہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم کو چھپا لیا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے“ اللہ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت آپ نے کی۔ یہ حدیث یہاں مختصر ہے۔ اور جگہ پر مطلق بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے ”اگر حضور اللہ کے کسی فرمان کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ یعنی تو اپنے دل میں چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور لوگوں سے چھپ رہا تھا حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے۔ ابن عباسؓ نے کسی نے کہا کہ لوگوں میں یہ چرچا ہو رہا ہے کہ تمہیں کچھ باتیں حضور نے ایسی بتائی ہیں جو اور لوگوں سے چھپائی جاتی تھیں تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا قسم اللہ کی ہمیں حضور نے کسی ایسی مخصوص چیز کا وارث نہیں بنایا (ابن ابی حاتم)۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ”حضرت علیؓ سے ایک شخص نے پوچھا کیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ کچھ اور وحی بھی ہے؟ آپؓ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے واسے کو گایا ہے اور جانوں کو پیدا کیا ہے کہ کچھ نہیں بجز اس قسم و روایت کے جو اللہ کسی شخص کو دے اور جو کچھ اس شخص میں ہے اس نے پوچھا مجھے میں کیا ہے؟ فرمایا دیت کے مسائل ہیں قیدیوں کو چھوڑ دینے کے احکام ہیں اور یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قصاصاً قتل نہ کیا جائے۔“ صحیح بخاری شریف میں حضرت زہریؒ کا فرمان ہے کہ اللہ کی طرف سے رسالت ہے اور پیغمبر کے ذمے تبلیغ ہے اور ہمارے ذمہ قبول کرنا اور تابع فرمان ہونا ہے۔ حضور نے اللہ کی سب باتیں پہنچادیں اس کی گواہ آپ کی تمام امت ہے کہ فی الواقع آپ نے امانت کی پوری ادائیگی کی اور سب سے بڑی مجلس جو تھی اس میں سب نے اس کا اقرار کیا یعنی حجتہ الوداع خطبے میں جس وقت آپ کے سامنے چالیس ہزار صحابہؓ جگہ گروہ عظیم تھا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ”آپؐ نے اس خطبے میں لوگوں سے فرمایا تم میرے بارے میں اللہ کے ہاں پوچھو جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا ہماری گواہی ہے کہ آپؐ نے تبلیغ کر دی اور حق رسالت ادا کر دیا اور ہماری پوری خیر خواہی کی آپ نے سر آسان کی طرف اٹھا کر فرمایا اے اللہ کیا میں نے تیرے تمام احکامات کو پہنچا دیا؟ اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا؟“ مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے اس خطبے میں پوچھا کہ لوگو یہ کون سادہ ہے؟ سب نے کہا حرمت والا پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ جواب دیا حرمت والا۔ فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ جواب ملا حرمت والا فرمایا پس تمہارے مال اور خون و آبرو آپس میں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرمت والے ہیں جیسے اس دن کی اس شہر میں اور اس مہینے میں حرمت ہے۔ پھر بار بار اسی کو دہرایا۔ پھر اپنی انگلی آسان کی طرف اٹھا کر فرمایا اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کی قسم یہ آپ کے رب کی طرف آپ کی وصیت تھی۔ پھر حضورؐ نے فرمایا دیکھو ہر حاضر غیض غیر حاضر کو یہ بات پہنچا دو۔ دیکھو میرے پیچھے کہیں کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھر۔ امام بخاریؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تو نے میرے فرمان میرے بندوں تک نہ پہنچائے تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا پھر اس کی جو سزا ہے وہ ظاہر ہے اگر ایک آیت بھی چھپائی تو حق رسالت ادا نہ ہوا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اترتا ہے سب پہنچا دو حضورؐ نے فرمایا اللہ میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں میں کس طرح کروں تو دوسرا جملہ اتر آکر اگر تو نے نہ کیا تو تو نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ پھر فرمایا تجھے لوگوں سے بچالینا میرے ذمہ ہے۔ تیرا حافظ و ناصر میں ہوں بے خطر رہے دو کہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اس آیت سے پہلے حضورؐ چوکے رہتے تھے لوگ نگہبانی پر مقرر رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات کو حضورؐ بیدار تھے۔ انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آج کیا بات ہے؟ فرمایا کاش کہ میرا کوئی نیک بخت صحابی آج پہرہ دیتا یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی۔ آپ نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا کہ سعد بن مالک ہوں فرمایا کیسے آئے؟ جواب دیا اس لئے کہ رات بھر حضورؐ کی چوکیداری کروں۔ اس کے بعد حضورؐ آرام سو گئے یہاں تک کہ خرافوں کی آواز آنے لگی (بخاری و مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۲ھ کا ہے۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ نے خیمے سے سر نکال کر چوکیداروں سے فرمایا ”جاؤ اب میں اللہ کی پناہ میں آ گیا تمہاری چوکیداری کی ضرورت نہیں رہی۔“

ایک روایت میں ہے کہ ابوطالب آپ کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی آدمی کو رکھتے جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے فرمایا بس چچا اب میرے ساتھ کسی کے بھیجنے کی ضرورت نہیں میں اللہ کے بچاؤ میں آ گیا ہوں۔ لیکن یہ روایت غریب اور منکر ہے۔ یہ واقعہ ہو تو مکہ کا ہو اور یہ آیت تو مدنی ہے مدینہ کی بھی آخری مدت کی آیت ہے اس میں شک نہیں کہ کسے میں بھی اللہ کی حفاظت اپنے رسولؐ کے ساتھ رہی باوجود دشمن جاں ہونے کے اور ہر اسباب اور سامان سے لیس ہونے کے سرداران مکہ اور اہل مکہ آپ کا بال تک بیکار نہ کر سکتے ابتدا رسالت کے زمانہ میں اپنے چچا ابوطالب کی وجہ سے جو کہ قریشیوں کے سردار اور بارسوخ شخص تھے آپ کی حفاظت ہوتی رہی ان کے دل میں اللہ نے آپؐ کو محبت اور عزت ڈال دی یہ محبت طبعی تھی شرعی نہ تھی اگر شرعی ہوتی تو قریش حضورؐ کے ساتھ ہی ان کی بھی جان کے خواہاں ہو جاتے۔ ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے انصار کے دلوں میں حضورؐ کی شرعی محبت پیدا کر دی اور آپؐ انہی کے ہاں چلے گئے۔ اب تو مشرکین بھی اور یہود بھی مل کر نکل کھڑے ہوئے بڑے بڑے ساز و سامان لٹکر لے کر چڑھ دوڑے لیکن بابراری ناکامیوں نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی طرح خفیہ سازشیں بھی جتنی کیں قدرت نے وہ بھی انہیں پرالٹ دیں۔ ادھر وہ جادو کرتے ہیں ادھر سورہ معوذتین نازل ہوتی ہے اور ان کا جادو اتر جاتا ہے۔ ادھر ہزاروں جتن کر کے بکری کے شنانے میں زہر ملا حضورؐ کی دعوت کر کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں ادھر اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو ان کی دھوکا دہی سے آگاہی فرما دیتا ہے اور یہ ہاتھ کاٹنے رہ جاتے ہیں۔

اور بھی ایسے واقعات آپؐ کی زندگی میں بہت سارے نظر آتے ہیں۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ ”ایک سفر میں آپؐ ایک درخت تلے جو صحابہؓ اپنی عادت کے مطابق ہرمز میں تلاش کر کے آپ کے لئے چھوڑ دیتے تھے دوپہر کے وقت قبول کر رہے تھے تو ایک اعرابی اچانک آ نکلا آپؐ کی تلوار جو اسی درخت میں لٹک رہی تھی اتار لی اور میان سے باہر نکال لی اور ڈانٹ کر آپ سے کہنے لگا اب بتا کون ہے جو تجھے بچا

لے؟ آپ نے فرمایا اللہ مجھے بچائے گا اسی وقت اس اعرابی کا ہاتھ کاٹنے لگتا ہے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر جاتی ہے اور وہ درخت سے ٹکراتا ہے جس سے اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ آیت اتارتا ہے۔“

ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضورؐ نے بنو نضار سے غزوہ کیا۔ ذات الرقاع مجبور کے باغ میں آپ ایک کنوئیں میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے جو بنو نضار کے ایک شخص وارث نامی نے کہا، دیکھو میں محمد (ﷺ) کو قتل کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا میں کسی خیلے سے آپ کی تلوار لے لوں گا اور پھر ایک ہی وارکر کے پار کر دوں گا۔ یہ آپ کے پاس آیا اور ادھر ادھر کی باتیں بنا کر آپ سے تلوار دیکھنے کو مانگی آپ نے اسے دے دی لیکن تلوار کے ہاتھ میں آتے ہی اس پر اس بلا کار زرہ چڑھا کہ آخر تلوار سنبھل نہ سکی اور ہاتھ سے گر پڑی تو آپ نے فرمایا تیرے اور تیرے بدارادے کے درمیان اللہ حائل ہو گیا اور یہ آیت اتری۔ حورث بن حارث کا بھی ایسا قصہ مشہور ہے۔

ابن مردودہ میں ہے کہ ”صحابہ کی عادت تھی کہ سفر میں جس جگہ ٹھہرتے، آنحضرت ﷺ کے لئے گھنا سا یہ دار بڑا درخت چھوڑ دیتے کہ آپ اسی کے تلے آرام فرمائیں، ایک دن آپ اسی طرح ایسے درخت تلے سو گئے اور آپ کی تلوار اس درخت میں لٹک رہی تھی۔ ایک شخص آگیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگا اب بتا کہ میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ بچائے گا، تلوار رکھ دے اور وہ اس قدر ہیبت میں آگیا کہ قیل حکم کرنا ہی پڑی اور تلوار آپ کے سامنے ڈال دی۔“ اور اللہ نے یہ آیت اتاری کہ اللہ یَفْصَلُكَ مِنَ النَّاسِ مِنْ مَّوَدِّهِمْ مِنْ مَّوَدِّهِمْ تیرے لئے بہتر تھا۔ ایک شخص کو صحابہ پہلا کر آپ کے پاس لائے اور کہا یہ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہا تھا، وہ کہنے لگا۔ آپ نے فرمایا گھبرا نہیں چاہے تو ارادہ کرے لیکن اللہ اسے پورا نہیں ہونے دے گا۔“ پھر فرماتا ہے تیرے ذمہ صرف تبلیغ ہے ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے وہ کافروں کو ہدایت نہیں دے گا۔ تو پہچان دے حساب کا لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا ٱلتَّوْرَةَ
وَٱلْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا
مِّنْهُمْ مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا
فَلَا تَأْسَ عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ ۝۵۵ إِنَّ ٱلَّذِينَ آمَنُوا
وَٱلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلضُّبُونَ وَٱلنَّصَارَىٰ مِنَ ٱلْأَمَنِ بِٱللَّهِ
وَٱلْيَوْمِ ٱلْآخِرِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُُمْ يَحْزَنُونَ ۝۵۶

کہہ دے کہ اے اہل کتاب تم دراصل کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تواریت و انجیل پر اور جو کچھ تمہاری طرف رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ ہو جاؤ۔ جو کچھ تیری جانب تیرے رب کی طرف سے اترا ہے وہ ان میں سے اکثر کو شرارت اور انکار میں اور بھی بڑھا دے گا ہی تو تو ان کافروں پر غمگین نہ ہو ○ مسلمان یہودی ستارہ پرست نصرانی کوئی ہو جو بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے وہ جھل بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا ○

آخری رسول پر ایمان اولین شرط ہے: ☆ ☆ (آیت: ۶۸-۶۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کسی دین پر نہیں جب تک کہ اپنی کتابوں پر اور اللہ کی اس کتاب پر ایمان نہ لائیں لیکن ان کی حالت تو یہ ہے کہ جیسے جیسے قرآن اترتا ہے یہ لوگ سرکشی اور کفر میں بڑھتے جاتے ہیں۔ پس اے نبی تو ان کافروں کے لئے حسرت و افسوس کر کے کیوں اپنی جان کو روگ لگاتا ہے۔ صابیٰ نصرانیوں اور مجوسیوں کی بے دین جماعت کو کہتے ہیں اور صرف مجوسیوں کو بھی۔ علاوہ ازیں ایک اور گروہ تھا یہود اور نصاریٰ دونوں مثل مجوسیوں کے تھے۔

قائدہ کہتے ہیں یہ زبور پڑھتے تھے۔ غیر قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے اور فرشتوں کو پوجتے تھے۔ وہ بفرماتے ہیں اللہ کو پہنچتے تھے اپنی شریعت کے حامل تھے ان میں کفر کی ایجاد نہیں ہوئی تھی یہ عراق کے متصل آباد تھے، یلوتا کہے جاتے تھے نبیوں کو مانتے تھے رسال میں تیس روزے رکھتے تھے اور یمن کی طرف منہ کر کے دن بھر میں پانچ نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ اس کے سوا اور قول بھی ہیں چونکہ پہلے دو جملوں کے بعد ان کا ذکر آیا تھا اس لئے رفع کے ساتھ عطف ڈالا۔

ان تمام لوگوں سے جناب باری فرماتا ہے کہ ”امن و امان والے بے ڈر اور بے خوف وہ ہیں جو اللہ پر اور قیامت پر سچا ایمان رکھیں اور نیک اعمال کریں اور یہ نامکمل ہے جب تک اس آخری رسول ﷺ پر ایمان نہ ہو جو کہ تمام جن و انس کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پس آپ پر ایمان لانے والے آنے والی زندگی کے خطرات سے بے خوف ہیں اور یہاں چھوڑ کر جانے والی چیزوں کی انہیں کوئی تمنا اور حسرت نہیں۔“ (سورہ بقرہ کی تفسیر میں اس جملے کے مفصل معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔)

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَارْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا
قُلْنَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا
كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ وَحَسِبُوا إِلَّا تَكُونُ فِتْنَةً
فَعَمُوا وَصَمُوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُوا
كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾

ہم نے بائعین بنو اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا جب کہی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی منشاء کے خلاف تھے تو انہوں نے ان کی ایک جماعت کی تو تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا اور کچھ بیٹھے کہ کوئی سزا نہ ہوگی۔ پس اللہ نے ہرے بن بیٹھے۔ پھر اللہ ان پر متوجہ ہوا۔

اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر ائمہ سے ہرے ہو گئے۔ اللہ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے ○

سیاہ عمل یہود اور نصاریٰ: ☆ ☆ (آیت: ۷۰-۷۱) اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے وعدے لئے تھے کہ وہ اللہ کے احکام کے عامل اور وحی کے پابند رہیں گے۔ لیکن انہوں نے وہ ميثاق توڑ دیا۔ اپنی رائے اور خواہش کے پیچھے لگ گئے کتاب اللہ کی جو بات ان کی منشاء اور رائے کے مطابق تھی مان لی۔ جس میں اختلاف نظر آیا ترک کر دی نہ صرف اتنا ہی کیا بلکہ رسولوں کے مخالف ہو کر بہت سے رسولوں کو جھوٹا بتایا اور پیغمبروں کو قتل بھی کر دیا کیونکہ ان کے لائے ہوئے احکام ان کی رائے اور قیاس کے خلاف تھے۔ اتنے بڑے گناہ کے بعد بھی بے فکر ہو کر بیٹھے رہے اور سمجھ لیا کہ ہمیں کوئی سزا نہ ہوگی لیکن انہیں زبردست روحانی سزا دی گئی یعنی وہ حق سے دور پھینک

دینے گئے اور اس سے اندھے اور بہرے بنا دیئے گئے، نطق کو سنیں اور نہ ہدایت کو دیکھ سکیں لیکن پھر بھی اللہ نے ان پر مہربانی کی، انہوں نے اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر حق سے ٹاپنا اور حق کے سننے سے محروم ہی ہو گئے۔ اللہ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنَىٰ إِسْرَءِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابُ الْيَمِّ ۖ

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ خود کچھ نے ان سے کہا تھا کہ اسے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرے اللہ اس پر قطعاً جنت کو حرام کر دیتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے، گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ○ وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے دراصل سوا ایک اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر ہیں انہیں الناک عذاب ضرور پہنچیں ○

خود ساختہ معبود بنانا ناقابل معافی جرم ہے: ☆ ☆ (آیت: ۷۲-۷۳) لہذا انہوں نے فریقوں کی یعنی ملکیہ، یعقوبیہ، نسطوریہ کے کفر کی حالت بیان کی جارہی ہے کہ یہ مسیح ہی کو اللہ کہتے ہیں اور مانتے ہیں۔ اللہ ان کے قول سے پاک، منزہ اور مبرا ہے۔ مسیح تو اللہ کے غلام تھے۔ سب سے پہلا حکم ان کا دنیا میں قدم رکھتے ہی گہوارے میں ہی یہ تھا کہ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ میں اللہ کا غلام ہوں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں بلکہ اپنی غلامی کا اقرار کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی فرمایا تھا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ ہی ہے۔ اسی کی عبادت کرتے رہو، سیدھی اور صحیح راہ یہی ہے اور یہی بات اپنی جوانی کے بعد کی عمر میں بھی کہی کہ اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کرنے والے پر جنت حرام ہے اور اس کے لئے جہنم واجب ہے۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا۔ جہنمی جب جنتیوں سے کھانا پانی مانگیں گے تو اہل جنت کا یہی جواب ہوگا کہ یہ دونوں چیزیں کفار پر حرام ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بذریعہ منادی کے مسلمانوں میں آواز لگوائی تھی کہ جنت میں فقط ایمان و اسلام والے ہی جائیں گے سورہ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ الْاِشْرَکَ کی تفسیر میں وہ حدیث بھی بیان کر دی گئی ہے جس میں ہے کہ گناہ کے تین دیوان ہیں جس میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ نے کبھی نہیں بخشا اور وہ اللہ کے ساتھ شرک کا ہے۔ حضرت مسیح نے بھی اپنی قوم میں یہی وعظ بیان کیا اور فرمادیا کہ ایسے ناانصاف مشرکین کا کوئی مددگار بھی کھڑا نہ ہوگا۔

اب ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جو اللہ کو تین میں سے ایک مانتے تھے یہودی حضرت عزیر کو اور نصرانی حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور اللہ کو تین میں کا ایک مانتے تھے، لیکن یہ آیت صرف نصرانیوں کے بارے میں ہے۔ وہ باپ بیٹا اور اس گلے کو جو باپ کی طرف سے بیٹے کی جانب تھا، اللہ مانتے تھے۔ پھر ان تینوں کے مقرر کرنے میں بھی بہت بڑا اختلاف تھا اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا تھا اور حق تو یہ ہے کہ سبھی کافر تھے۔ حضرت مسیح کو اور ان کی ماں کو اور اللہ کو ملا کر اللہ مانتے تھے۔ اسی کا بیان اس سورت کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے فرمائے گا: کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو بھی اللہ مانو؟ وہ اس سے صاف انکار کریں گے اور اپنی اعلیٰ اور بے گناہی ظاہر کریں گے۔ زیادہ ظاہر قول بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ دراصل لائق عبادت سوائے اس ذات واحد کے اور کوئی نہیں۔ تمام کائنات اور کل موجودات کا معبود بحق وہی ہے۔ اگر یہ اپنے اس کافرانہ نظریے سے باز نہ آئے تو یقیناً یہ الناک عذابوں کا شکار ہوں گے۔

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأَمَّهُ صَدِيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ
أَنْظُرْ كَيْفَ بُيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرِ النَّاسَ
يُؤْفَكُونَ

یہ لوگ کیوں اللہ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں اس سے استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے ○ مسیح بن مریم سوا عظیم ہونے کے اور کچھ بھی نہیں اس سے پہلے بھی بہت تبلیغ ہو چکے ہیں اس کی ماں ایک ذکیہ عورت تھیں دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے دیکھو کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے جاتے ہیں پھر غور کر لے کہ کس طرح پٹائے جاتے ہیں ○

(آیت: ۷۳-۷۵) پھر اللہ تعالیٰ اپنے کرم و جود کو بخشش و انعام اور لطف و رحمت کو بیان فرما رہا ہے اور باوجود ان کے اس قدر سخت جرم اتنی اشد بے حیائی اور کذب و افترائے انہیں اپنی رحمت کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اب بھی میری طرف جھک جاؤ ابھی سب معاف فرما دوں گا اور دامن رحمت تلے لے لوں گا۔ حضرت مسیح اللہ کے بندے اور رسول ہی تھے ان جیسے رسول ان سے پہلے بھی ہوئے ہیں۔ جیسے فرمایا اِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وہ ہمارے ایک غلام ہی تھے۔ ہاں ہم نے ان پر رحمت نازل فرمائی تھی اور بنی اسرائیل کے لئے قدرت کی ایک نشانی بنائی۔ والدہ بھی مومن اور حج کئے والی تھیں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ نبیہ تھیں کیونکہ یہ مقام وصف ہے تو بہترین وصف جو آپ کا تھا وہ بیان کر دیا اگر نبوت والی ہوتیں تو اس موقع پر اس کا بیان نہایت ضروری تھا۔ ابن حزم وغیرہ کا خیال ہے کہ ام اسحاق اور ام موسیٰ اور ام یحییٰ نبیہ تھیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت سارہ اور حضرت مریم سے خطاب اور کلام کیا اور والدہ موسیٰ کی نسبت فرمان ہے وَ اَوْحَيْنَا اِلٰی اُمِّ مُوسٰی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہم نے موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی کہ تو انہیں دودھ پلا۔ لیکن جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبوت مردوں میں ہی رہی۔ جیسے قرآن کا کفر مانا ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اُنہیں سے پہلے ہم نے نبی والوں میں سے مردوں ہی کی طرف رسالت انعام فرمائی ہے۔ شیخ ابوالحسن اشعریؒ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ماں بیٹا تو دونوں کھانے پینے کے محتاج تھے اور ظاہر ہے کہ جو اندر جائے گا وہ باہر بھی آئے

گا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ بھی مثل اوروں کے بندے ہی تھے اللہ کی صفات ان میں نہ تھیں۔ دیکھ تو ہم کس طرح کھول کھول کر ان کے سامنے اپنی جنتیں پیش کر رہے ہیں؟ پھر یہ بھی دیکھ کہ باوجود اس کے یہ کس طرح ادھر ادھر بھٹکتے اور بھاگتے پھرتے ہیں؟ کیسے گمراہ مذہب قبول کر رہے ہیں؟ اور کیسے روی اور بے دلیل اقوال کو گمراہ میں باندھ رہے ہیں؟

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ
ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۚ قُلْ يَا أَهْلَ
الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا
أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا
وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

کہہ دے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک نہ کسی نفع کے۔ اللہ ہی ہے خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ۱۰ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے ہی سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں ۱۱

معبودان باطل: ☆ ☆ (آیت ۷۶-۷۷) معبودان باطل کی جو اللہ کے سوا ہیں عبادت کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے کہ ان تمام لوگوں سے کہہ دو کہ جو تم سے ضرر کو دفع کرنے کی اور نفع کے پہنچانے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے آخر تم کیوں انہیں پوجے چلے جا رہے ہو؟ تمام باتوں کے سننے والے تمام چیزوں سے باخبر اللہ سے ہٹ کر بے سم و بصر بے ضرر و بے نفع و بے قدر اور بے قدرت چیزوں کے پیچھے پڑ جانا یہ کون سی عقلندی ہے؟ اے اہل کتاب اتباع حق کی حدود سے آگے نہ بڑھو۔ جس کی تو قیر کرنے کا جتنا حکم ہوا اتنی ہی اس کی تو قیر کرو۔ انسانوں کو جنہیں اللہ نے نبوت دی ہے نبوت کے درجے سے مغرور نہ ہو۔ جیسے کہ تم جناب مسیح کے بارے میں غلطی کر رہے ہو اور اس کی اور کوئی وجہ نہیں بجز اس کے کہ تم اپنے پیروں مرشدوں استادوں اور اماموں کے پیچھے لگ گئے ہو۔ وہ تو خود ہی گمراہ ہیں بلکہ گمراہ کن ہیں۔ استقامت اور عدل کے راستے کو چھوڑے ہوئے انہیں زمانہ گزریگا۔ ضلالت اور بدعتوں میں مبتلا ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص ان میں بڑا پابند دین حق تھا۔ ایک زمانہ کے بعد شیطان نے اسے بہکا دیا کہ جو اگلے کر گئے وہی تم بھی کر رہے ہو۔ اس میں کیا رکھا ہے؟ اس کی وجہ سے نہ تو لوگوں میں تمہاری قدر ہوگی نہ شہرت تمہیں چاہئے کہ کوئی نئی بات ایجاد کر دے اسے لوگوں میں پھیلاؤ۔ پھر دیکھو کہ کیسی شہرت ہوتی ہے؟ اور کس طرح جگہ ب جگہ تمہارا ذکر ہونے لگتا ہے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کی بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں اور زمانہ اس کی تقلید کرنے لگا۔ اب تو اسے بڑی ندامت ہوئی۔ سلطنت و ملک چھوڑ دیا اور تنہائی میں اللہ کی عبادتوں میں مشغول ہو گیا لیکن اللہ کی طرف سے اسے جواب ملا کہ میری خطا ہی صرف کی ہوئی تو میں معاف کر دیتا لیکن تونے تو عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے غلط راہ پر لگا دیا۔ جس راہ پر چلتے چلتے وہ مری بھی گئے۔ ان کا بوجھ تجھ پر ہے کیسے ملے گا؟ میں تو تیری توبہ قبول نہیں فرماؤں گا۔ پس ایسوں ہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔

لَعْنَتِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ
 دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا
 يَعْتَدُونَ ﴿۷۵﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ
 لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۷۶﴾ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ
 يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ
 أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۷۷﴾ وَلَوْ
 كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ مَا أَتَوْا مَا اتَّخَذُوهُمْ
 أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۷۸﴾

بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی۔ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے ○
 آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں کے جوہر کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا ○ ان میں کے اکثر لوگوں کو تو دیکھے گا کہ وہ
 کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں جو کچھ انہوں نے اپنے لئے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے۔ اللہ ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ○ اگر
 انہیں اللہ پر اور نبی پر جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے لیکن ان میں کے اکثر لوگ فاسق ہیں ○

امر معروف سے گریز کا انجام ☆ ☆ ☆ (آیت ۷۸-۷۹) ارشاد ہے کہ بنو اسرائیل کے کافر پرانے ملعون ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام
 اور حضرت عیسیٰ کی زبانی انہی کے زمانہ میں ملعون قرار پائے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے نافرمان تھے اور مخلوق پر ظالم تھے۔ تو ریت انجیل زبور اور
 قرآن سب کتابیں ان پر لعنت برساتی آئیں۔ یہ اپنے زمانہ میں بھی ایک دوسرے کے برے کاموں کو دیکھتے تھے لیکن چپ چاپ بیٹھے
 رہتے تھے حرام کاریاں اور گناہ کھلے عام ہوتے تھے اور کوئی کسی کو روکنا نہ تھا۔ یہ تھا انکا بدترین فعل۔ مسند احمد میں فرمان رسول ہے کہ
 ”بنو اسرائیل میں پہلے پہل جب گناہوں کا سلسلہ چلا تو ان کے علماء نے انہیں روکا۔ لیکن جب دیکھا کہ باز نہیں آتے تو انہوں نے انہیں
 الگ نہیں کیا بلکہ انہی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے رہے جس کی وجہ سے دونوں گروہوں کے دلوں کو آپس میں ٹکرا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک
 دوسرے کے دل بھڑا دیئے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ کی زبانی ان پر اپنی لعنت نازل فرمائی۔ کیونکہ وہ نافرمان اور ظالم تھے۔ اس کے
 بیان کے وقت حضور ٹھیک لگائے ہوئے تھے لیکن اب ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا ”نہیں نہیں اللہ کی قسم تم پر ضروری ہے کہ لوگوں کو خلاف شرع
 باتوں سے روکو اور انہیں شریعت کی پابندی پر لاؤ۔“

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ”سب سے پہلی برائی بنی اسرائیل میں داخل ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو خلاف شرع کوئی کام
 کرتے دیکھتا تو اسے روکنا اسے کہتا کہ اللہ سے ڈر اور اس برے کام کو چھوڑ دے یہ حرام ہے۔ لیکن دوسرے روز جب وہ نہ چھوڑا تو یہ اس
 سے کنارہ کشی نہ کرتا بلکہ اس کا ہم نوا ہم پیالہ رہتا اور میل جول باقی رکھتا اس وجہ سے سب میں ہی سنگدلی آ گئی۔ پھر آپ نے اس پوری
 آیت کی تلاوت کر کے فرمایا ”واللہ تم پر فرض ہے کہ بھلی باتوں کا ہر ایک کو حکم کر دہرائیوں سے روکو ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو اور اسے تنگ

کرو کہ حق پر آ جائے۔“ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

ابوداؤد وغیرہ میں اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تمہارے دلوں کو بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لگا دے گا اور تم پر اپنی پھٹکار نازل فرمائے گا جیسی ان پر نازل فرمائی۔ اس بارے میں اور بہت سی حدیثیں ہیں۔ کچھ سن بھی لیجئے۔ حضرت جابر والی حدیث تو آیت ”لَوْ لَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّ يُنَوِّنُ الرَّحْمٰنُ“ کی تفسیر میں گزر چکی اور ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ“ کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوشلبہؓ کی حدیثیں آئیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند اور ترمذی میں ہے کہ یا ”تو تم بھلائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے گا۔ پھر تم اس سے دعائیں بھی کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا۔“ ابن ماجہ میں ہے ”اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت کرو۔ اس سے پہلے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے سے روک دی جائیں۔“ صحیح حدیث میں ہے ”تم میں سے جو شخص خلاف شرع کام دیکھے اس پر فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اور یہ بہت ہی ضعیف ایمان والا ہے۔“ (مسلم)

مسند احمد میں ہے ”اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں کرتا لیکن اس وقت کہ برائیاں ان میں پھیل جائیں اور وہ باوجود قدرت کے انکار نہ کریں اس وقت عام خاص سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں گھیر لیتا ہے۔“ ابوداؤد میں ہے کہ جس جگہ اللہ کی نافرمانی ہوئی شروع ہو وہاں جو بھی ہو ان خلاف شرع امور سے ناراض ہو (ایک اور روایت میں ہے ان کا انکار کرتا ہو) وہ مثل اس کے ہے جو وہاں حاضری نہ ہو اور جو ان خطاؤں سے راضی ہو گو وہاں موجود نہ ہو۔ وہ ایسا ہو گیا ان میں حاضر ہے۔ ابوداؤد میں ہے لوگوں کے عذر جب تک ختم نہ ہو جائیں وہ ہلاک نہ ہوں گے۔ ابن ماجہ میں ہے حضورؐ نے اپنے خلبے میں فرمایا ”خبردار کسی شخص کو لوگوں کی بہت حق بات کہنے سے روک نہ دے۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوسعید خدریؓ رو پڑے اور فرمانے لگے افسوس ہم نے ایسے موقعوں پر لوگوں کی بہت بات لی۔ ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے افضل جہاں کہ حق ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دیتا ہے۔

ابن ماجہ میں ہے کہ جرہ اولیٰ کے پاس حضورؐ کے سامنے ایک شخص آیا اور آپ سے سوال کیا کہ سب سے افضل جہاں کون سا ہے؟ آپ خاموش رہے۔ پھر آپ جرہ ثانیہ پر آئے تو اس نے پھر وہی سوال کیا مگر آپ خاموش رہے جب جرہ عقبہ پر نکھر مار چکے اور سواری پر سوار ہونے کے ارادے سے رکاب میں پاؤں رکھے تو در یافت فرمایا کہ وہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا حضورؐ میں حاضر ہوں فرمایا حق بات ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دیتا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ تم میں سے کسی شخص کو اپنی بے عزتی نہ کرنی چاہئے۔ لوگوں نے پوچھا؟ حضورؐ یہ کیسے؟ فرمایا خلاف شرع کوئی امر دیکھے اور کچھ نہ کہے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی کہ فلاں موقع پر تو کیوں خاموش رہا؟ یہ جواب دے گا کہ لوگوں کے ڈر کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں سب سے زیادہ حقدار تھا کہ مجھ سے خوف کھائے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب اسے اللہ تعالیٰ جنت کرے گا تو یہ کہے گا کہ تجھ سے تو میں نے امید رکھی اور لوگوں سے خوف کھا گیا مسند احمد ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تئیں ذلیل نہ کرنا چاہئے لوگوں نے پوچھا کیسے؟ فرمایا ان بلاؤں کو سر پر لینا جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ سے سوال کیا گیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑی جائے؟ فرمایا اس وقت جب تم میں بھی وہی خرابی ہو جائے جو تم سے اگلوں میں ظاہر ہوئی تھی۔ ہم نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کہنے آدمیوں میں سلطنت کا چلا جانا۔ بڑے آدمیوں میں بدکاری کا آ جانا۔ رذیلوں میں علم کا آ جانا۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں رذیلوں میں علم آ جانے سے مراد فاسقوں میں علم کا آ جانا ہے۔ اس حدیث کی شاہد حدیثیں ابوشلبہؓ کی روایت سے آیت لایضہر کم کی تفسیر میں آئیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرماتا ہے کہ اکثر منافقوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں گانٹتے ہیں۔ ان کے اس فعل کی وجہ سے یعنی مسلمانوں سے دوستیاں چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لئے برا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ اس کی پاداش میں ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے اور اسی بناء پر اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور قیامت کے دن کے لئے دائمی عذاب بھی ان کے لئے آگے آرہے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے ابے مسلمانو! زنا کاری سے بچو اس سے چھ برائیاں آتی ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ اس سے عزت و تقاروفت و تازی جاتی رہتی ہے۔ اس سے فقر و فاقہ آ جاتا ہے اس سے عمر گھٹتی ہے اور قیامت کے دن تین برائیاں یہ ہیں۔ اللہ کا غضب حساب کی سختی اور برائی اور جہنم کا غلود۔ پھر حضور نے اسی آخری جملے کی تلاوت فرمائی یہ حدیث ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے اگر یہ لوگ اللہ پر اس کے رسول ﷺ پر اور قرآن پر پورا ایمان رکھتے تو ہرگز کافروں سے دوستیاں نہ کرتے اور چھپ چھپا کر ان سے میل ملاپ جاری نہ رکھتے۔ نہ سچے مسلمانوں سے دشمنیاں رکھتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے خارج ہو چکے ہیں اس کی وجہ اور اس کے پاک کلام کی آیتوں کے مخالف بن بیٹھے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ
وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا
الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِيْكَ ذَلِكَ بَأَنَّ مِنْهُمْ قَسِيْسِيْنَ
وَرُهْبَانًا وَآثَمَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵

یقیناً تو ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب تو یھیا انہیں پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں دشمن اور گوش نشین ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے ○

یہودیوں کا تاریخی کردار: ☆☆ (آیت: ۸۲) یہ آیت اور اس کے بعد کی چار آیتیں نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہیں۔ جب ان کے سامنے حبشہ کے ملک میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم پڑھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ یہ خیال رہے کہ یہ آیتیں مدینے میں اتری ہیں اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیتیں اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جسے نجاشی نے حضور کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ آپ سے ملیں حاضر خدمت ہو کر آپ کے حالات و صفات دیکھیں اور آپ کا کلام سنیں۔ جب یہ آئے آپ سے ملے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سنا تو ان کے دل نرم ہو گئے۔ بہت روئے دھوئے اور اسلام قبول کیا اور واپس جا کر نجاشی سے سب حال کہا۔ نجاشی اپنی سلطنت چھوڑ کر حضور کی طرف ہجرت کر کے آنے لگے لیکن راستے میں ہی انتقال ہو گیا۔ یہاں بھی یہ خیال رہے کہ یہ بیان صرف سدی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ وہ حبشہ میں ہی سلطنت کرتے ہوئے فوت ہوئے۔ ان کے انتقال والے دن ہی حضور نے صحابہ کو ان کے انتقال کی خبر دی اور ان کی نماز جنازہ عاتباتہ ادا کی۔

بعض تو کہتے ہیں اس وفد میں سات تو علماء تھے اور پانچ زاہد تھے پانچ علماء اور سات زاہد تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ کل پچاس آدمی تھے اور کہا گیا ہے کہ ساتھ سے کچھ اور تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ستر تھے۔ فائدہ اعلم۔ حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جن

کے اوصاف آیت میں بیان کئے گئے ہیں پہلے جوشہ ہیں۔ مسلمان مہاجرین جوشہ جب ان کے پاس پہنچے تو یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلے یہ ذین بیسوی پر قائم تھے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کریم کو سنا تو فوراً سب مسلمان ہو گئے۔

امام ابن جریر کا فیصلہ ان سب اقوال کو ٹھیک کر دیتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جن میں یہ اوصاف ہوں خواہ وہ جوشہ کے ہوں یا کہیں کے۔ یہودیوں کو مسلمانوں سے جو سخت دشمنی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سرکشی اور انکار کا مادہ زیادہ ہے اور ہر جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں اور ضد سے ناحق پراڑتے ہیں۔ حق کے مقابلہ میں بگڑ بیٹھنے ہیں حق والوں پر حقارت کی نظریں ڈالتے ہیں۔ ان سے بغض و بیز رکھتے ہیں۔ علم سے کورے ہیں۔ علماء کی تعداد ان میں بہت ہی کم ہے اور علم اور ذی علم لوگوں کی کوئی وقعت ان کے دل میں نہیں۔ یہی تھے جنہوں نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا خود بغیر الزام احمد مجتبیٰ حضرت محمد ﷺ کے قتل کا ارادہ بھی کیا اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار آپ کو زہر دیا آپ پر جادو کیا اور اپنے جیسے بد باطن لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضور پر حملے کئے لیکن اللہ نے ہر مرتبہ انہیں ناسرور و ناکام کیا۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب کبھی کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے اس کے دل میں اس کے قتل کا قصد پیدا ہوتا ہے۔ ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن یہ بہت ہی غریب۔ ہاں مسلمانوں سے دوسری میں زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے تابعدار ہیں۔ انجیل کے اصلی اور صحیح طریقے پر قائم ہیں۔ ان میں ایک حدیث فی الجملہ مسلمانوں اور اسلام کی محبت ہے۔ یہ اس لئے کہ ان میں نرم دلی ہے جیسے ارشاد باری ہے وَ جَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَ رَحْمَةً الخ۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم ڈال دیا ہے ان کی کتاب میں حکم ہے کہ جو تیرے دانے گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے بایاں گال بھی پیش کر دے۔ ان کی شریعت میں لڑائی ہے ہی نہیں۔ یہاں ان کی اس دوستی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان میں خطیب اور واعظ ہیں۔ قَسَبِينَ اور قَس کی جمع قَسَبِيْنِ ہے قَسُوس بھی اس کی جمع آتی ہے رهبان جمع ہے راہب کی راہب کہتے ہیں عابد کو۔ یہ لفظ مشتق ہے رہب سے اور رہب کے معنی ہیں خوف اور ڈر کے۔ جیسے راہب کی جمع رکبان ہے اور فرسان ہے امام ابن جریر فرماتے ہیں کبھی رُہْبَان واحد کے لئے آتا ہے اور اس کی جمع رُہْبَانِیْن آتی ہے جیسے قُرْبَان اور قُرَابِیْن اور جَوْرَان اور جَوْرَانِیْن اور کبھی اس کی جمع رُہْبَانِیْن بھی آتی ہے عرب کے اشعار میں بھی لفظ رُہْبَان واحد کے لئے آیا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص قَسَبِيْنِ وَ رُہْبَانِ پڑھ کر اس کے معنی دریافت کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں قَسَبِيْنِ کو خانقاہوں اور غیر آباد جگہوں میں چھوڑ۔ مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے صِدِّیقِیْن وَ رُہْبَانِ پڑھایا ہے (بزار اور ابن مردویہ) الغرض ان کے تین اوصاف یہاں بیان ہوئے ہیں۔ ان میں عالموں کا ہونا ان میں عابدوں کا ہونا ان میں تواضع فروتنی اور عاجزی کا ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے محض اس کے فضل و کرم لطف و رحم سے تفسیر محمدی کا چمنا پارہ بھی ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ہمیں اس سے دونوں جہان میں فائدہ بخشے۔ آمین!